ISSN 0974-7346

اکتوبر ۲۰۲۴ء

جلد۲۱۱ــــعدد ۱۰

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY,

AZAMGARH

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں	:	سالانہ ۳۵۰/روپے۔ فی شمارہ ۳۰/روپے رجسٹرڈ ڈاک ۵۵۴/روپے
		ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۵۰۰/روپے میں دستیاب ہے۔
		ہندوستان میں لائف ممبرشپ ۱۰۰۰۰/روپے ہے۔
دیگر ممالک میں	:	سادہ ڈاک ۱۷۳۰/روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۱۸۵۰/روپے

اشتراک پی ڈی ایف بذریعہ ای میل (ساری دنیا میں) ۳۵۰/روپے سالانہ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ڈاک کا سلسلہ بند ہے۔

اس لئے فی الحال پاکستان معارف کی ترسیل موقوف ہے۔

سالانہ چندہ کی رقم بینک ٹرانسفر، منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔

بینک ٹرانسفر کر کے ہم کو ضرور اطلاع دیں۔ بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات یہ ہیں:

Account Name: DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No: 4761005500000051 - IFSC : PUNB0476100

بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کر دیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

(Ma'arif Section) 06386324437

Email: info@shibliacademy.org website: www.shibliacademy.org

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (ڈپٹی ڈائرکٹر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۱۱ | ماہ ربیع الاول ۱۴۴۶ھ مطابق ماہ اکتوبر ۲۰۲۴ء | عدد ۱۰

فہرست مضامین

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱
info@shibliacademy.org

شذرات

ادھر مہینوں سے شذرات کی گفتگو میں گرمی گفتار صرف احوال سیاست کے حوالے ہو گئی ہے سیاست کا علم اور فن دونوں معارف کی ترجیحات و خصوصیات میں کبھی شامل بھی نہیں رہے۔ عموماً شخصیات کے ذکر کے ساتھ اہم علمی وادبی مجلسوں اور نادر کتابوں کا ذکر زیادہ سے زیادہ ہوتا۔ علمی دنیا کی نمایاں تحقیقی کاوشوں کا بھی وقتاً فوقتاً تذکرہ ہوتا، اردو اور مسلمانوں کے مسائل بھی غیر سیاسی لہجوں میں آتے رہتے مگر اب عالم یہ ہے کہ جام جہاں نما کی ہر گردش میں بس اسی سیاست کے عکس نظر آتے ہیں جس کا دوسرا نام ظلم واستحصال اور کید و مکر اور جھوٹ فریب کے ذریعہ اقتدار پر قابض رہنا ہے اور جب یہ طرز فکر و عمل صبح وشام کا واحد معمول بن جائے تو اس کے اثرات بد سے چشم پوشی مناسب بھی نہیں، سیاست کے ایسے حالات سے محض اس لیے گریز نہیں کیا جا سکتا کہ اس سیاست کے یہ رویے تو عالمی طور پر ایک زمانہ سے ایک ہی قوم کے لیے خاص ہو چکے ہیں اس لیے یہ سوچ کر خاموش رہنا ہی بہتر ہے کہ:

ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لیکن یہ محض ایک قوم کی بات نہیں۔ ایک ایسا ملک جو اپنے دامن میں تہذیبوں، مذہبوں، زبانوں، رنگوں اور علاقوں کا بے مثال تنوع رکھتا ہو، جس کے ماضی کے آثار و نقوش قابل فخر ہو اور جس کی تاریخ کا مطالعہ عالمی دلچسپی کا حامل ہو اس کی تصویر کو مسخ اور داغدار کرنے والوں کی حقیقت سے آگاہ کرنا اور ان کی سازشوں سے باخبر کرنا اگر سیاست کے دائرہ کار میں آتا ہے تو ملک کا سنجیدہ ذہن اور حساس ضمیر اس سے یہ کہہ کر کنارہ کش نہیں ہو سکتا کہ یہ تو امور مملکت ہیں ان کو خسرواں ہی جاننے کا حق رکھتے ہیں۔

***

خیال آیا کہ مملکت ہند کے خسروان وقت نے گزشتہ ایک دہائی سے جو طرز اپنا رکھا ہے اور جس کی اب ہر طرف دہائی دی جا رہی ہے اس کی ایک جھلک اسی ستمبر کے مہینے کو آئینہ بنا کر دیکھی جائے کہ پہلی تاریخ سے اب تک بیس پچیس دنوں کے اخباروں کی سرخیوں میں آنکھوں کے سامنے گردش کرتے حرفوں اور لفظوں کا رنگ کیا ہے؟ یکم ستمبر کے پہلے ہی دن کی سرخی یوں نظر آئی کہ ہریانہ میں ہجومی تشدد، ایک مسلم مزدور کا پیٹ پیٹ کر قتل۔ اسی اخبار میں آسام کے مسلم مزدوروں پر حملے، نماز کا وقفہ ختم کیے جانے کے فیصلے کے ساتھ قریب پندرہ بیس خبروں میں خواتین کی بے عزتی،

کسانوں کی توہین، دلتوں کے قتل، سرکاری خزانے کے غلط استعمال، اسکولوں میں بچوں کے لیے زہریلے کھانے کی خبریں بھی ہیں۔ اس کے بعد آج کی ۲۶ تاریخ کے اسی اخبار کے پہلے صفحے پر اجمیر کی درگاہ کو مہادیو مندر بنانے کا دعوی ہے اور دہلی کی شاہی عید گاہ کے معاملہ میں ہائی کورٹ کے حکم کے بعد پولیس کی تعیناتی اور یوپی میں ہوٹلوں اور کھانے پینے کی دکانوں پر مالکوں کے نام کی تختی لگانے کے حکم کی خبریں چھپی ہیں۔ یہی حال باقی دنوں کی خبروں کا ہے۔ ایک دن بھی اس مہینے میں ایسا نہیں گزرا جب کسی مسجد، درگاہ، مزار اور مسلم بستیوں کے انہدام کی خبروں سے اخباروں کے صفحات خالی ہوئے ہوں۔ وقف کے مسئلہ میں حکومت کی مجوزہ ترمیمات پر عوامی اضطراب و احتجاج اور کروڑوں لوگوں کی جمہوری صداؤں کی بے توقیری بلکہ بے حرمتی ہوتی رہی جس کا اثر اخبار کی زبان میں یوں ظاہر ہوا کہ وقف بورڈ کے حلف نامے کے بعد وقف ترمیمی بل کا پہلا نتیجہ سامنے آگیا کہ دہلی ہائی کورٹ نے شاہی عید گاہ میں مورتی نصب نہ کرنے کی عرضی خارج کر دی۔ پہلی اور ۲۶ تاریخ کی خبروں کے یک رنگ تسلسل کو سمیٹ دیا جائے تو زور زبردستی اور ظلم اور انصاف کے قتل کے وہ منظر نامے تیار ہو جائیں کہ تاریخ کے نہایت شقی، سنگدل اور متکبر حکمرانوں اور ان کی حکومتوں کے مظالم بھی شاید شرمسار ہو جائیں اور یہ تو محض ایک اقلیتی طبقہ کی داستان کا ایک حصہ ہے باقی اور طبقات جو سرمایہ دارانہ اور فرقہ وارانہ سوچ کے حلقہ اطاعت سے باہر ہیں ان کا حال بھی کچھ کم نہیں۔ ایسے میں حالات کا یہ شکوہ موجودہ ماحول میں ممکن ہے بے سود ہو لیکن تاریخ کبھی نہ کبھی جب خود کو دہرانے کی فطرت کا اظہار واعلان کرے گی تو سیاست کی کم ظرفی یا کم ظرفوں کی سیاست کی مثال پیش کرنے میں اس کو دشواری تو یقیناً نہیں ہوگی۔ نصف صدی ہوئی ۱۹۵۱ میں معارف نے نئے ہندوستان میں آزادی کی نعمت کے متعلق لکھا تھا کہ ہندوستان کی آزادی کی نعمت کو اس کی فرقہ پرستی، تنگدلی اور تنگ نظری نے اقلیتوں کے لیے سراسر زحمت بنا دیا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے خصوصاً تعلیم اور زبان کے ذریعے ان کی قومی و ملی خصوصیات کو مٹانے اور ان کے کلچر کو بدلنے کی کوشش سب سے خطرناک ہے۔ خطروں کا یہ احساس اور مستقبل کے یہ اندیشے تب ظاہر کیے گئے تھے جب ملک کے سیکولر نظام کے جسم میں تعصب اور فرقہ پرستی کے جراثیم بڑی چابک دستی سے سیکولر پہچان کے ساتھ داخل کیے جا رہے تھے۔ ۱۹۵۲ میں جب جامعہ عثمانیہ، اردو دشمنی کے نتیجے میں برباد کر دی گئی تو اس وقت بھی تاریخ کے غارت گر حکمرانوں کی یاد آئی تھی اور قلم کو یہ فریاد سنانی پڑی تھی کہ ہماری حکومت کا یہ کارنامہ ماضی کے ان غارت گروں سے بھی بڑھ گیا۔ اس وقت بھی مجبور قلم نے یہی کہا تھا کہ تاریخ اس واقعہ کو فراموش نہ کرے گی اور آئندہ نسلیں اس کو عبرت کے ساتھ یاد کرتی رہیں گی۔ قریب ۷۵ سال گزرنے کے بعد آئندہ نسلیں بھی پرانی ہو

گئیں مگر عبرت کی نظر خدا جانے کہاں گم ہوگئی اور اب تو یہ حال ہے کہ قوم کی قیادت تو میر کا مصرعہ بن گئی کہ:

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

سب کچھ تاریخ کے حوالے کرنے سے کیا قوم کی جواب دہی کا فریضہ ادا ہو جائے گا؟ اس سوال کا جواب اگر اب نہ تلاش کیا گیا تو خدا نہ کرے وہ وقت بھی آئے جب تاریخ کے صفحات کہہ اٹھیں کہ:

کر دیا سفاک نے میدان صاف

***

یہ خبر بڑے افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ مولانا شاہ تقی الدین فردوسی ندوی وفات پاگئے۔ وہ بہار کے منیر شریف کی خانقاہ کے زیب سجادہ تھے لیکن ان کی شہرت و مقبولیت ان کی عالمانہ لیاقت کے سبب بھی تھی۔ وہ مولانا سید محمد رابع ندویؒ کے نہایت عقیدت مند شاگرد تھے۔ استاد کا اثر خود ان کی صورت و سیرت میں صاف نظر آتا۔ چند مہینوں پہلے ایک علمی مذاکرہ میں ان کی گفتگو پورے مذاکرے کا حاصل بن گئی تھی۔ ندوہ سے خاص تعلق تھا وہاں سے فراغت کے بعد ۱۹۶۲ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ لیا۔ وہ اس یونیورسٹی کے اولین طلبہ میں تھے اور اسی گروپ میں سابق ناظم دارالمصنّفین پروفیسر اشتیاق احمد ظلی بھی تھے جن کا ذکر فردوسی صاحب برابر کرتے رہتے۔ ان کے قلم سے کئی کتابیں نکلیں ان میں ایک "ملت اسلامیہ کے مسائل وقضایا، علامہ شبلی اور ان کے معاصر شعراء کے کلام" بھی ہے۔ منیر شریف، ندوہ اور مدینہ منورہ ان نسبتوں نے ان کی شخصیت کو عجب دلآویزی بخشی، اللہ تعالی مغفرت فرمائے۔

***

یہ سطریں لکھی جاچکی تھی کہ اداسی اور ویرانی کی اذیت اس خبر سے اور بڑھ گئی کہ دارالمصنفین کے سابق جوائنٹ سیکریٹری اور شبلی ڈگری کالج کے شعبہ تعلیمات کے نیک نام استاد اور کالج کے سابق نائب پرنسپل پروفیسر عبدالمنان ہلالی بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۲۵ ستمبر کو وہ اسی خاک کا حصہ ہوگئے جو ان کے جسد ظاہری میں شامل تھی مگر وہ جس احسن تقویم کی تصویر تھے اس کو عرصے تک یاد کیا جائے گا۔ ان کا ذکر ذرا تفصیل کا متقاضی ہے۔ معارف کی آئندہ اشاعت میں اس تقاضہ کی تکمیل کی کوشش کی جائے گی۔ ان شاءاللہ

***

مقالات

عبدالرحیم قدوائی کی قرآنی خدمات

زریاب احمد فلاحی

zaryabahmadteacher@gmail.com

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کی شخصیت مختلف الجہات اور ہمہ گیر پہلوؤں کا حسین امتزاج ہے۔ تاہم ان کی فکر و نظر اور تحقیق و تصنیف میں قرآن مجید کو مرکزیت حاصل ہے۔ انہوں نے اس میدان میں مختلف جہتوں سے لائق صد رشک اور قابل تقلید کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ مثلاً عبداللطیف رحمانی کی عظیم تصنیف "تاریخ القرآن" کو انگریزی کا قالب عطا کیا۔ شیخ الہند محمود حسن اور شبیر احمد عثمانی کی تفاسیر کا انگریزی ترجمہ کیا۔ مولانا مودودی کی شہرہ آفاق تفسیر "تفہیم القران" کے انگریزی ترجمہ میں معاونت کی اور خود بھی What is in the Qur'an کے عنوان سے قرآن کا آسان انگریزی میں مفہوم پیش کیا۔ کم و بیش سوا سو علمی مقالات و خطبات کے علاوہ مستشرقین اور قرآن کے موضوع پر انگریزی زبان میں ان کی مندرجہ ذیل وقیع تصنیفات و تالیفات منظر عام پر آچکی ہیں:

(1) *The Qur'an: Essential Teachings* (2005)
(2) *Daily Wisdom: Selections from the Holy Qur'an*
(3) *Daily Wisdom: Islamic Prayers and Supplications*
(4) انتخاب اقتباسات قرآن مجید
(5) *365 Sayings of the Qur'an*
(6) *The Qur'an Speaks to you*

یہ خدمات جلیلہ ہی موصوف کی نیک نامی کے لئے کافی تھیں لیکن ان کے نمایاں علمی کارناموں میں انگریزی تراجم قرآن کا تنقیدی مطالعہ سرفہرست ہے۔ انھوں نے ابھی عمر عزیز کی ۳۰ بہاریں بھی نہیں دیکھی تھیں کہ ۱۹۸۵ء سے ہی انحاء عالم میں شائع ہونے والے انگریزی تراجم قرآن پر ناقدانہ وبصیرت افروز تبصرے کرنے لگے، قارئین کو ہر مترجم کی ذہنیت، دینی و گروہی عصبیت اور اس کے ترجمے کے محاسن و معائب سے آگاہ کرنے کا فریضۂ منصبی ادا کرنے لگے۔ اب تک ان کے زرخیز قلم سے تقریباً سوا انگریزی تراجم قرآن کا جائزہ تبصروں کی شکل میں مؤقر ملکی و عالمی رسائل

وجرائد کی زینت بن چکا ہے۔ اس گراں قدر قرآنی خدمت کے پیش نظر سعودی عرب کی وزارت مذہبی امور نے کنگ فہد قرآن سینٹر کے زیر اہتمام ان تراجم کے تنقیدی مطالعے اور کتابیات پر مشتمل ایک مستقل تصنیف تیار کرنے کی ذمہ داری تفویض کی جو ۲۰۰۷ء میں 'کتابیات' کی شکل میں مدینہ منورہ سے شائع ہوئی: *Bibliography of the Translations of the Meanings of the Glorious Quran into English, 1649-2002, A Critical Study*، کنگ فہد قرآن پرنٹنگ پریس، مدینہ منورہ، ۲۰۰۷ء، صفحات: ۴۰۷، نامی اس کتاب میں ۱۶۴۹ء سے ۲۰۰۲ء تک کے صرف ۷۴ مکمل انگریزی تراجم معانی قرآن کا تنقیدی جائزہ مختصر اور محدود انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ بعد ازاں مصنف نے اس پر نظر ثانی کی اور اسے خوب وسعت بخشی، یہ اضافہ شدہ نسخہ *Translating the Untranslatable* کے نام سے ۲۰۱۱ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ Bibliography میں جہاں ۱۶۴۹ء سے ۲۰۰۲ء تک کے ۷۴ مکمل انگریزی تراجم قرآن کا تنقیدی جائزہ شامل تھا وہیں *Translating the Untranslatable* میں ۱۶۴۹ء سے ۲۰۰۹ء تک کے ۱۶۰ انگریزی تراجم قرآن کا محاکمہ کیا گیا ہے۔ بعد ازاں بھی ان کے اشہب خامہ کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ چنانچہ اس سلسلۃ الذہب کی تازہ ترین پیشکش *God's Word, Man's Interpretations* کے نام سے ۲۰۱۷ء میں منظر عام پر آئی جس میں اکیسویں صدی کے ۱۳۲ انگریزی تراجم قرآن کو انھوں نے اپنی میزان نقد پر تولا اور ان کی تعیین قدر کی۔

خوش کن بات یہ ہے کہ انگریزی کے علاوہ عربی، فارسی و اردو زبانوں کے تراجم و تفسیری سرمایے سے بھی وہ پوری طرح واقف ہیں۔ پروفیسر غلام یحییٰ انجم کی کتاب ''قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر'' پر ان کا تحقیقات اسلامی، جولائی، ستمبر ۲۰۲۰ء میں شائع محاکمہ ان کی تبحر علمی اور تنقیدی بصیرت کا مظہر ہے۔ انھوں نے اس تنقیدی جائزے میں محض فاضل مصنف کی لغزشوں ہی کی نشاندہی نہیں کی ہے بلکہ اپنے وسیع مطالعہ کی روشنی میں قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا دور حاضر تک کا تفصیلی مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔

اکیسویں صدی اپنی آغوش میں قرآن مجید کے انگریزی تراجم کی فصل بہار کی سوغات لے کر آئی ہے۔ اس موسم بہار کی جلوہ سامانیوں کے صدقے ۲۰۰۰ء سے ۲۰۱۷ء کے مختصر وقفہ میں ۴۰ سے زائد مکمل انگریزی تراجم قرآن کے خوشنما پھول چمنستان دہر میں کھل چکے ہیں۔ یعنی ہر سال کو اس بادصبا نے دو سے زیادہ انگریزی تراجم قرآن سے گلشن آرائی کی ہے۔ ۱۶۴۹ء سے ۱۹۹۹ء (ساڑھے تین

سو سال) کے عرصۂ دراز کے دوران موجود محض ۷۰ انگریزی تراجم کی معمولی تعداد کے مقابلہ میں یہ انتہائی تعجب خیز اعداد و شمار غیر معمولی نظر آنے لگتے ہیں۔

اکیسویں صدی کے انگریزی تراجم قرآن کا یہ تنقیدی مطالعہ موصوف کی سابقہ تصنیفات (۱) *Bibliography of the Translations of the Meanings of the Glorious Quran into English: 1649-2002,* اور (۲) *Translating the Untranslatable: A Critical Guide to 60 English Translations of the Quran* کا تتمہ و تکملہ ہے۔ اس طرح یہ موجودہ تخلیق ان کی تنقیدی سفر کا تسلسل ہے، کیوں کہ اس میں ۲۰۰۰ سے ۲۰۱۷ء تک کے اکثر انگریزی تراجم کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ مستشرقین کی تفسیری سرگرمیوں کے جائزے پر مشتمل یہ مضمون اسی کتاب کا ایک ضمیمہ ہے۔ اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

گزشتہ کچھ دہائیوں میں جہاں بہت سی دیگر اشیاء عصر حاضر کی دور رس تبدیلیوں کی تاب نہ لا سکیں، وہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلام، مسلمان اور قرآن کے حوالے سے مستشرقین کی مہم جوئی بھی اب بدل رہی ہے۔ اس تبدیلی کے پس پشت رقم کی فراہمی اور وظائف میں تخفیف کو کسی قدر ذمے دار ٹھہرایا جاسکتا ہے تاہم عالم گیریت اور برق رفتار بدلتی دنیا قطعی طور پر اس کے خاص اسباب ہیں۔ ہر چند کہ اسلام / مسلمان / قرآن کا آج بھی بڑے جوش و انہماک کے ساتھ مطالعہ و مشاہدہ کیا جاتا ہے تاہم اب ان میں ایک یا دو صدی پہلے جیسا انوکھا پن اور دلکشی نہیں رہی۔ لہذا شروع میں مستشرقین کے اذہان و قلوب پر قرآن اور پیغمبر اسلام کی ذات گرامی قدر کا جو خیال مسلط رہتا تھا اور بعد ازاں انہوں نے جو ترمیم پسندانہ طریقہ کار اپنایا، اب بڑی حد تک اس کی جگہ پر منظم انداز میں مسلم دنیا اور اس کی سیاست و معاشرے پر زور بیاں صرف کیا جارہا ہے۔

سابقہ پینتالیس سالوں میں قرآنیات پر مغرب کے مؤقر جرائد و کتب میں ۱۹۶۷ تا ۲۰۱۲ کے درمیان انگریزی زبان میں شائع ہونے والے ۸۱ مضامین کو *Tafsir: Interpreting the Qur'an: Critical Concepts in Islamic Studies* کے عنوان سے چار جلدوں میں جمع کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ مغربی فضلاء / مستشرقین کے علمی کارناموں کا خلاصہ ہے۔ اس کی روشنی میں فیصلہ کریں تو قدیم مکتب فکر کو آج بھی مطالعات قرآنی کے میدان میں غلبہ و تفوق حاصل ہے، تاہم حوصلہ افزا پہلو یہ ہے کہ مسلم ماہرین کے مضامین بھی اب ممتاز استشراقی / مغربی جرائد و مطبوعات میں شائع ہونے لگے ہیں، پھر بھی یہی منزل مقصود ہرگز نہیں ہے۔ مسلم محققین کو دراصل

مستشرقین کی تصانیف کا تنقیدی جائزہ لینا چاہئے اور ان کا علمی تعاقب و محاسبہ کرنا چاہئے۔ مجموعے کے ایڈیٹر مصطفی شاہ کے یہاں اس کا فقدان ہے جبکہ ان مجلدات میں شامل مضامین پر سربرآوردہ مستشرقین کے ناقص اور اکثر غلط افکار و خیالات کی نمایاں چھاپ ہے۔ مثلاً ایس پرویز منظور نے مستشرقین کے قرآنی اشتغال کی تاریخ پر درج ذیل بابصیرت اور بلیغ تبصرہ کیا ہے:

The Orientalist enterprise of Qur'anic studies, whatever its other merits and services, was a project born of spite, bred in frustration and nourished by vengeance.

(مطالعات قرآنی کی استشراقی مہم اپنی تمام تر گوناں گوں خصوصیات اور خدمات کے باوجود فی الواقع بغض و کینہ کی کوکھ سے جنم لینے والا منصوبہ تھا، جھنجھلاہٹ کے عالم میں اس کی افزائش ہوئی اور جذبۂ انتقام کے ذریعہ اسے تقویت ملی)۔

بروس فج Bruce Fudge (پ: ۱۹۶۷)اپنے مقالہ: Qur'anic Exegesis in Mediaeval Islam and Modern Orientalism(جلد۱، ص۲۱۹-۲۴۵) کی شروعات پرویز منظور کے اس تبصرے کی مضحکہ خیز رائے زنی سے کرتا ہے۔ وہ اسے ایس پرویز منظور کی ”غلو آمیز مخاصمانہ تقریر / تحریر“ گردانتا ہے۔ اس کے باوجود اس وحشت انگیز، انتہائی افسوس ناک اور تباہ کن صورتحال میں ذرا بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ مثلاً مغرب کے علمی کارناموں پر مشتمل اس ضخیم مجموعے میں دانستہ اور ایک طرح سے مبنی بر عناد ہر کوشش کی گئی ہے کہ نص قرآنی کو مشتبہ بنایا جائے، تفسیر کے عام رجحان کے نمائندہ مفسرین اور محدثین کو بدنام کیا جائے اور فن تفسیر میں اختلاف رائے ظاہر کرنے والے دھڑے کی مدح خوانی کی جائے۔ اس کی شہادت فرقوں سے منسوب اور صوفیانہ تفاسیر پر غیر متناسب توجہ سے ملتی ہے۔ مثلاً جلد ۳ کے ۲۱ میں سے ۱۵ مضامین شیعہ، اسماعیلی، معتزلی، صوفیانہ وغیرہ مکتب فکر کی تفاسیر کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔

اس مجموعے کے اکثر مضامین میں تفسیری سرمایے کی مبہم اور مشتبہ تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس ضمن میں مشہور تفاسیر کی تاریخ تصنیف کو غیر یقینی کہا گیا ہے، معیاری و مستند تفاسیر تک کے مصنفین کی شخصیت کو مشتبہ ٹھہرایا گیا ہے اور مفسرین کے مبینہ ”خفیہ ایجنڈا“ کی بات کی گئی ہے۔ انڈرو لارینس ریپن Andrew Laurence Rippin (۱۹۵۰-۲۰۱۶) کے بقول صرف یہی حقیقت نہیں ہے کہ تفسیر ابن عباس جیسی کوئی کتاب کبھی معرضِ وجود میں نہیں آئی بلکہ بذات خود

ابن عباس کی شخصیت بھی مبہم، اسطوری اور فرضی ہے (ج ا، ص ۴۶۵)۔ اسی جلد کے اگلے مضمون "Ibn Abbas in Abbasid Era Tafsir" (ج ا، ص ۴۹۳-۵۰۸) میں ہربرٹ برگ بھی مستقل ابن عباس کا روایتی قصہ اور "اسطوری ابن عباس" کی ڈفلی بجاتا ہے۔ ہارالڈ موتزکی (۱۹۴۸-۲۰۱۹) Harald Motzki اگلے مضمون The Origins of Muslim Exegesis: A Debate (ج ا، ص ۵۰۹-۵۷۰) میں ابن عباس کی "اسطوری شخصیت" سے متعلق کہانی کو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔ وہ ایسا ہربرٹ برگ کے مذکورہ بیانات کی بھرپور تائید و توثیق کے ذریعے کرتا ہے۔ وہ اپنے جائزے میں اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ابن عباس سے منسوب تفسیری روایات کی اسانید بڑی حد تک یا مکمل طور پر جعلی ہیں اور اکثر کو بہر صورت مشتبہ تصور کرنا چاہیے۔

مذکورہ اسلوب مستشرقین کی اس حکمت عملی کا بخوبی نمونہ پیش کرتے ہیں کہ وہ تفسیری سرمایے کے حوالے سے ایک دوسرے کے مغالطہ آمیز نظریات کی تایید کرتے ہیں۔ انہوں نے تیسری صدی ہجری میں نص قرآنی کے ظہور سے متعلق وانزبرا کی عجیب و غریب تحقیق کے ضمن میں بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔

اس مجموعے کی جلد دوم ساخت اور اسلوب قرآنی پر مرکوز ہے اور تمثیلات، استشہاد بالاشعار، تفسیر بالرائے، اختلاف قراءت، اسرائیلیات، اسباب النزول، ناسخ منسوخ اور اصول تفسیر پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ تاہم اس کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں جین ڈیمن میک آلف Jane Dammen McAuliffe (پ: ۱۹۴۴) نے ابن تیمیہ کے "مقدمۃ في اصول التفسیر" اور ابن الجوزی کی "زاد المسیر في علم التفسیر" کی تمہید کا انگریزی ترجمہ شامل کیا ہے۔

اس جلد میں شامل پیٹر ہیتھ Peter Heath (۱۹۴۹-۲۰۱۴) کا مضمون Creative Hermeneutics : A Comparative Analysis of Three Islamic Approches (ج ۲، ص ۴۷۴-۵۰۶) خاص دلچسپی کا حامل ہے۔ ہیتھ نے مؤرخ طبری (۸۳۸-۹۲۲ء)، فلسفی ابن سینا (۹۸۰-۱۰۳۷ء) اور صوفی ابن العربی (۱۱۶۵-۱۲۴۰ء) کے تفسیری نہج کا جائزہ لیا ہے۔

جلد سوم میں بھی متنوع تفاسیر کے بارے میں متعدد پریشان کن سوالات کھڑے کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ان کی ثقاہت کو مجروح کیا جاسکے۔ مثلاً اپنے مضمون: "A Comparision of the References to Muqatil b.Sulayman (150/767) in the Exegesis of al-Thalabi (427/1036) with Muqatil's Own Exegesis" میں ترکی کی عالم

محمد عاکف کوش Mehmet Akif Koç درج ذیل نکات ذہن نشین کرانا چاہتا ہے:

(۱) مقاتل کی تفسیر ان کی وفات کے بعد ڈیڑھ صدی تک عدم توجہ کا شکار رہی۔

(۲) الثعالبی کے حوالے / اقتباسات عمل مسخ، تناقض اور دیگر اغلاط کی شہادت پیش کرتے ہیں۔

(۳) مقاتل کی تفسیر اور کرامیہ مکتب فکر میں گہرا رشتہ ہے۔

الریکا مارٹنسن Ulrika Martensson (پ : ۱۹۶۳) نے اپنے مضمون: "The Persuasive Proof : A Study of Aristotle's Politics and Rhetoric in the Qur'an and in al-Tabari's Commentry" (ج ۳، ص ۸۲-۱۳۲) میں قرآن پاک کے بارے میں مستشرقین کے قدیم دعوی کو دہرایا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام ہی قرآن کے خالق تھے، البتہ جان وانزبرا John Wansbrough (۱۹۲۸-۲۰۰۲) نے مستشرقین کے اس عمومی اتفاق رائے سے بنیادی انحراف کیا ہے اور یہ مفروضہ پیش کیا ہے کہ مسلم فضلاء / علماء کی ایک جماعت نے قرآن کو نویں صدی میں تخلیق کیا۔ اینڈرو ریپن نے سب سے بڑھ کر اس نظریے کی پیروی کی ہے۔ مارٹنسن اور کلود جیلیو Claude Gilliot (پ: ۱۹۴۰) نے بھی اسی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ مارٹنسن اس کوشش میں سرگرداں ہے کہ قرآن مجید میں ارسطو کی تصانیف Politics اور Rhetoric کے تصورات کی موجودگی ثابت کرڈالے۔ اس کا نتیجۂ فکر یہ ہے کہ ارسطو سے قرآن مجید کے موازنے کی خاص سیاسی معنویت یہ ہے کہ یہ مقبول عام سنی نظریۂ ریاست اور جدید بنیاد پرستی کے مابین حد فاصل طے کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ اس کے مطابق ریاست کو خدا نے نہیں بلکہ پیغمبر نے قائم کیا، لہذا قانون ساز خدا نہیں بلکہ پیغمبر ہیں۔ یہ پس منظر ایک نئی توضیح پیش کرتا ہے کہ عصر حاضر کے بنیاد پرستوں جیسے کہ حسن البنا، سید قطب اور ابوالاعلی مودودی نے اسلامی علمی ورثے کو کیوں مسترد کردیا۔

نارمن کالڈیر Norman Calder (۱۹۵۰-۱۹۹۸) کی رائے میں ابن کثیر بھی "بنیاد پرستی" کے مجرم ہیں۔ انہوں نے عقلی روایت کا پاس ولحاظ نہیں کیا۔ بالعموم وہ متنوع قرأت کو پسند نہیں کرتے ہیں اور ایک ہی صحیح قرأت کے قائل ہیں۔ وہ اپنے کٹر مذہبی ایجنڈے کو بیانیہ پر ترجیح دیتے ہیں۔

محولہ بالا سربرآوردہ مفسرین کو ہدف تنقید بنانے کے علاوہ جلد سوم کا بقیہ حصہ شیعہ، اسماعیلی، معتزلی اور صوفیانہ تفاسیر کی بحث کے لیے وقف ہے۔ تاہم جومیر J.Jomier کا مضمون "The

Qur'anic Commentry of Imam Fakh al-Razi: its sources and its originality" ایک فرحت بخش انحراف کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ رازی کے سر اس کامیابی کا سہرا باندھتا ہے کہ انھوں نے معتزلہ کے شکار بہت سے مسلمانوں کو دوبارہ اشعریت کی راہ پر گامزن کیا۔ انھیں اپنی تفسیر میں تصوف اور قدامت پسندی کے امتزاج کی پیشکش، نظم قرآن کے اظہار اور معانی وپیغام قرآن کی منظم توضیح وتشریح کے لیے بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

وہ رازی کی تفسیر میں ان کے واضح اشعری موقف پر بھی زور دیتا ہے۔ تفسیر رازی میں یہ پہلو خدا کی قدرت کاملہ، خود مختاری اور اعمال بشریہ میں خدا کے عمل دخل کے بیان میں نمایاں ہے۔ وہ رازی کی تفسیر کو "a kind of encyclopaedia" یعنی "ایک طرح کی دائرۃ المعارف" بتاتا ہے۔

امام رازی کی عبقریت اور ان کی مشہور زمانہ تفسیر پر جو میر کا تبصرہ منصفانہ اور دقت نظری پر مبنی ہے۔ اس کے بقول تفسیر رازی کا سب سے اہم تخلیقی پہلو یہ ہے کہ انہیں سلف کی تفاسیر کا گہرا علم ہے، ان کی تفسیر میں عقلیت اور روحانیت کی جلوہ گری ہے۔ رازی کی تفسیر غیر معمولی خزانے کا پٹارا ہے اور اسلامی روایت میں مہتم بالشان ہے (ج۳، ص ۳۲۳-۳۲۴)۔

مغربی فکر وخیال میں "قدامت پسندی" کی اصطلاح چوں کہ "خود کش بمبار" کے مترادف ہے، لہذا یہ دیکھ کر چنداں حیرانی نہیں ہوتی کہ اینڈرو رپین اپنے اگلے مضمون The Muslim Samson: Medieval, Modern and scholarly interpretation (ج۴، ص ۲۷-۴۲) میں اسی نتیجہ پر بے تامل پہنچ جاتا ہے۔ وہ شمشون[۱] (Samson) کا رشتہ خود کشی سے جوڑنے اور اسے آج کے حالات سے مربوط کرنے میں عجلت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ شمشون کو خود کشی اور بالخصوص خود کش بمباروں سے مربوط کرنے کا عمل اب کافی وسیع پیمانے پر ہونے لگا ہے۔ شرق اوسط کی جدید تاریخ

---

[۱] بائبل کے باب 'قضاۃ' کی آیات ۱۳-۱۶ میں شمشون کا تذکرہ ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیلیوں کی بری حرکات کی وجہ سے رب نے انھیں فلستیوں کے حوالے کر دیا جو انھیں چالیس سال تک دباتے رہے۔ اس وقت صرعہ شہر میں دان قبیلہ کا منوحہ نامی ایک بے اولاد آدمی رہتا تھا۔ ایک دن رب کے فرشتے نے منوحہ کی بیوی کو بیٹے کی بشارت دی اور کہا کہ یہی بچہ اسرائیل کو فلستیوں سے بچائے گا۔ 'قضاۃ' باب ۱۵ کی آیت ۲۰ میں ہے کہ فلستیوں کے دور میں شمشون ۲۰ بیس سال تک اسرائیل کا قاضی رہا۔ باب ۱۶ کی آیت ۲۱ میں ہے کہ فلستیوں نے اسے پکڑ کر اس کی آنکھیں نکال دیں۔ آیت ۲۳ میں ہے کہ شمشون نے قید خانے کے ستونوں کو ہلا کر گرا دیا اور اس طرح خود کشی کر کے فلستیوں سے اپنا انتقام لیا۔ اس سیاق میں شمشون خود کشی کا ہم معنی بن گیا ہے۔

کے تناظر میں رکھ کر اس پر غور کریں تو یہ پڑھ کر پھر حیرت و استعجاب کی کیفیت طاری نہیں ہوتی کہ شمشون کو اسلامی نبی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ مسلم خود کش بمباروں اور علاوہ ازیں اسرائیلی فوجیوں سے شمشون کے بعید از قیاس رشتہ و اتحاد کے درمیان برپا ہلچل بڑی مقدار میں عام افراتفری پر منتج ہوئی ہے۔(ج۴، ص۳۴)

غیر محتاط اور بے بنیاد تبصروں کی ایسی ہی مثالوں سے گرہارڈ باورینگ Gerhard Bowering کا مضمون "The Light Verse : Qur'anic Text and Sufi Interpretation" (ج۴، ص۱۷۳-۲۰۳) بھی داغدار ہے۔ سلیمانی (متوفی ۴۱۲/ ۱۰۲۱)، قشیری (متوفی:۴۶۵/ ۱۰۷۲) اور دیلمی (متوفی ۵۹۳ / ۱۱۹۷) کی تفاسیر کے حوالے سے آیت نور کی صوفیانہ تفسیر کا جائزہ لیتے ہوئے باورینگ کو سورہ نور کے دو اجزاء (آیات ۳۴-۴۵ اور آیات ۴۵-۵۶) محل نظر لگتے ہیں۔ اس کے بقول یہ اصل موضوع سے گریز کا مظہر ہیں اور اصلاح متن یا الحاق کی علامات ظاہر کرتے ہیں۔ اس کی جانب نولدکے اور شوالی Schwally پہلے ہی اشارہ کر چکے ہیں۔ بحیثیت مجموعی سورے کے سیاق سے ایک بھی جزء مربوط نہیں دکھائی دیتا ہے۔ سورہ میں ان کی غیر متوقع شمولیت ادارتی سوء فہم کی پیداوار ہے یا اس سے بھی بہتر تاویل یہ ہے کہ یہ دونوں اجزاء قرآن کی حتمی تصنیف اور نظر ثانی کے دوران واضح ادارتی الحاق کا نتیجہ ہیں (ج۴، ص۱۷۵)۔

جین ڈیمن میک آلف نے "Christians in the Qur'an and Tafsir" (ج۴، ص ۱۷۲-۲۹۷) میں عیسائیوں / عیسائیت کے متعلق قرآنی بیانیہ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اس نے عیسائیوں / عیسائیت کے خلاف قرآنی "پابندیوں" پر زور بیان صرف کیا ہے۔ اس نے شروع میں قرآنی حوالوں کو دو خانوں میں تقسیم کیا ہے: (۱) عیسیٰ اور مریم کی قرآنی روئداد (۲) عیسائیت بحیثیت ایک مخصوص مذہبی فرقہ۔ اس دوسرے خانے کو مزید تین ذیلی عنوانات (۱) النصاری (۲) الحواریین (۳) اہل الکتاب میں منقسم کیا گیا ہے۔ اس درجہ بندی کے بعد میک آلف نے عیسائیوں / عیسائیت کے متعلق تین قرآنی مفسرین طبری (۸۳۸-۹۲۲)، رازی (۱۱۴۹-۱۲۱۰) اور طباطبائی (۱۹۰۳-۱۹۸۲) کی آراء کا جائزہ لیا ہے۔

عیسائیوں سے متعلق قرآنی آیات (المائدہ:۱۴، ۵۱، ۸۲) کا میک آلف کا انتخاب لائق غور ہے۔ المائدہ:۱۴ میں قرآن عیسائیوں کو "نصاریٰ" کا نام دیتا ہے۔ مسلمان متفق الرائے ہیں کہ ایسا "ناصرہ" سے عیسائیوں کے رشتے کی وجہ سے ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی تھی اور آپ اسی مناسبت

سے یسوع ناصری کہلاتے تھے۔ بیسویں صدی کے ایک ہندوستانی مفسر قرآن عبدالماجد دریابادی (۱۸۹۲-۱۹۷۷) نے نصاریٰ کے قرآنی لقب پر یہ دقیق مشاہدہ پیش کیا ہے: ”نصرانی یا ازمنۂ اولی کے عیسائی ما قبل پولوسیت کے دور کے اصل کلیسا کے پیروکار تھے، وہ دور حاضر کی پولوسی نوعیت کی کسی عیسائیت کی طرح بالکل نہیں تھے“ (دریابادی، *The Glorious, Quran*, Leicester, Islamic Foundation، ۲۰۰۸، ص ۲۴)۔

المائدہ: ۵۱ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاہداتی اتحاد قائم کرنے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس پر مسلم مفسرین کے حواشی کا ذکر کرتے ہوئے میک آلف طباطبائی کی ایک طرح سے ”دہشت انگیز“ تشریح نقل کرتی ہے: ”یہ آیت سیاسی، سماجی یا اقتصادی معاہدے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ جذباتی تعلقات تک وسیع ہے۔ طباطبائی اس پہلو پر زور دیتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ دونوں ہی اسلام دشمنی میں باہم متحد ہیں۔ لہذا وہ اپنے قارئین کو متنبہ کرتے ہیں کہ ”یہود و نصاریٰ، اپنے اندرونی افتراق و انتشار کے باوجود، تمہارے خلاف ایک (متحد) طاقت ہیں، اس لیے ان سے پیار و محبّت کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا“ (ج ۴، ص ۲۸۳)۔ تاہم میک آلف کے مضمون کا یہ پہلو اس کے اختتامی تبصرے میں قدرے متوازن ہو گیا ہے۔

بحیثیت مجموعی ان چاروں جلدوں میں قارئین کے لیے تفسیر کے متنوع طریقہ کار پر کافی مواد ہے۔ ساتھ ہی یہ تفسیر مختلف مکاتب فکر پر بھی روشنی ڈالتی ہیں، تاہم ان کا اہم ترین ہدف تفسیری سرمایہ کو مشتبہ بنانا ہے۔ قرآن کے درجۂ استناد اور اس کی متنی تاریخ کی بیخ کنی کی کوشش تو اور بھی زیادہ لائق مذمت ہے۔

تفسیری سرمایہ پر مشتمل مذکورہ چاروں جلدوں کے پہلو بہ پہلو ماسیمو کمپنینی Massimo Campanini (۱۹۵۴-۲۰۲۰) کی تصنیف *The Qur'an : Modern Muslim Interpretations* کا مطالعہ بھی اس لحاظ سے مفید ہے کہ اس سے قاری کو یہ مشاہدہ کرنے کا موقع میسر آتا ہے کہ مصنف قرآن کے بارے میں حالیہ مسلم علمی کارناموں کے عمومی رجحانات اور متصادم جہتوں کے حوالے سے کیا رائے قائم کرتا ہے اور بسا اوقات کیسے ان کی غلط ترجمانی کر ڈالتا ہے۔ اپنے مطالعے کے شروع میں اس کا یہ اعتراف ہے کہ قرآن عام و خاص ہر مسلمان کی زندگی میں ”زندۂ جاوید دستاویز“ کی شکل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے (ص ۳)۔ اسی درجے میں ماسیمو مسلم دنیا میں جاری حالیہ سنجیدہ و مفصل قرآنی مطالعات کی ”زبردست سرگرمی“ سے بھی کما حقہ باخبر ہے۔

اس کے تجزیے کے مطابق یہ علمی مظہر جدیدیت کے پیچیدہ مسئلے کے خلاف مسلم دنیا کے رد عمل کی علامت ہے۔ یہ ایسا الجھاؤ ہے جس کی نظیر مسلم تاریخ میں ایک طرح سے نہیں ملتی۔ لہٰذا حالات نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اس کوشش میں اپنی ثقافت کے بنیادی اصولوں کا عمیق مطالعہ، دورہ و تجزیہ کریں اور بہر صورت ان کی بہتر سمجھ حاصل کرنے کی راہ پر گامزن ہوں کہ بوقت ضرورت انھیں اس حقیقت سے ہم آہنگ کر سکیں اور مربوط کر سکیں جو ماضی میں اور اب تو اکیسویں صدی کے شروع میں بھی مسلم دنیا پر غالب بلکہ اس کا کس بل نکالتی دکھائی دیتی ہے (ص ۲)۔ تاہم وہ رائے پیش کرتا ہے کہ قرآن ہی مسلم فکر و عمل کے آئندہ انقلاب و ترقی کی کلید ہو گا (ص ۲)۔ مطالعۂ قرآن کے حوالے سے متنوع مسلم طریقہ کار پر جامع بحث اس کتاب کی خاص خوبی ہے۔

کمپنینی کے خیال میں سلفی مفسرین 'جدیدیت کو اسلامی قالب' عطا کرنے میں مصروف ہیں۔ ان سلفی فضلاء میں جمال الدین افغانی (۱۸۳۹-۱۸۹۷) کو گل سر سبد کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کو اصل اسلامی مصادر کی جانب رجوع کی دعوت و تلقین کی۔ کمپنینی نے تفسیر منار کو 'معذرت خواہانہ' گردانا ہے۔ طباطبائی (۱۹۰۳-۱۹۸۳) کو شیعہ اور ابن عاشور (۱۹۷۳-۱۹۷۹) کو سنی روایتی طرز تفسیر کے نمائندے کے طور پر زیر بحث لایا گیا ہے۔ محمود شلتوت (متوفی: ۱۹۶۳) اور محمد الغزالی (۱۹۱۷-۱۹۹۶) کو بھی سنی روایتی مکتب فکر کے نمائندہ مفسرین کے زمرے میں جگہ دی گئی ہے۔ تاہم کمپنینی کے اس خیال کی تائید و توثیق مشکل ہے کہ ہندوستانی مسلم عالم ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۵۸) کی تفسیر ایک ''سائنسی تفسیر'' ہے۔ کہیں زیادہ دلفریب و شوق آفریں بات یہ ہے کہ قرآن کی سائنسی تفسیر کے سیاق میں کمپنینی نے سر سید احمد خاں (۱۸۱۷-۱۸۹۸) کی پہل کار تفسیر کو نظر انداز کر دیا ہے۔

خلف اللہ (۱۹۱۶-۱۹۹۸) اور عائشہ بنت الشاطی (متوفی: ۱۹۹۸) کو قرآن کی ادبی تفسیر کے ترجمان ہونے کی وجہ سے قابل اعتناء سمجھا گیا ہے۔ ان کی تفسیر امین الخولی کے پیش کردہ درج ذیل مقولے پر مبنی ہے: ''قرآن غیر معمولی فصاحت و بلاغت کا حامل ایک ادبی متن ہے'' (ص ۴۶)۔ کمپنینی نے متن قرآنی کی تاریخیت پر محمد ارکون (۱۹۲۸-۲۰۱۰) اور نصر ابوزید (۱۹۴۳-۲۰۱۰) کے بیانات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اسی طرح وہ حسن حنفی (پ: ۱۹۳۵) اور فضل الرحمن (۱۹۱۹-۱۹۸۸) کو پر زور طریقے سے داد دیتا ہے کہ انھوں نے موضوعاتی جہات کے اظہار کے مقصد سے متن قرآن کا باریک بینی سے تجزیہ کیا۔ البتہ سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹) کی تفہیم القران پر یہ مضحکہ

خیز فقرہ بازی کی گئی ہے کہ یہ قرآن کو ایک ''معما'' کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش ہے (ص ۸۵)۔ امین احسن اصلاحی (۱۹۰۶-۱۹۹۷) کے فلسفۂ نظم قرآن پر مبنی بحث بڑی حد تک مستنصر میر سے مستفاد ہے۔ امین احسن اصلاحی کے استاد حمید الدین فراہی (۱۸۶۳-۱۹۳۰) کو کتاب میں کہیں زیر بحث نہ لانا ایک بین خلا ہے۔ قرآنیات پر تحقیق کرنے والے دیگر مغربی فضلاء کی طرح کمپنینی بھی سید قطب (۱۹۰۶-۱۹۶۶) اور مودودی کو ''انتہا پسندانہ مفسرین'' کے زمرے میں رکھتا ہے۔ وہ ان دونوں کا موازنہ کرتے ہوے رقمطراز ہے: ''المودودی سیاسی سطح پر بالکل قطب ہی کی طرح انقلابی تھے تاہم ان کی تفسیر سید قطب کی تفسیر سے کہیں زیادہ لچکدار اور کم سیاسی ہے'' (ص ۱۰۱، ۱۰۳)۔

مارگو بدران (پ: ۱۹۳۶)، فاطمہ مرنیسی (۱۹۴۰-۲۰۱۵) اور آمنہ ودود (پ: ۱۹۵۲) کے قرآنی مطالعات میں اسلامی تحریک آزادئ نسواں کے جن اہم خطوط کی عکاسی ہوئی ہے، کمپنینی نے انھیں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اہم تر نکتہ یہ ہے کہ حقوق نسواں کی یہ علمبردار آگے بڑھ کر قرآن کے ذریعے تاریخی سیاق میں طے کردہ معیار جنس کو چیلنج اور مسترد کرنے کی جسارت نہ کرسکیں۔

ہر چند کہ کمپنینی کی تصنیف اپنے موضوع پر حد درجہ جامع ہے تاہم اس میں برصغیر ہندو پاک کے بیسویں صدی کے متعدد ذی اثر قرآنی فضلاء مثلاً احمد رضا خاں بریلوی، اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع، اسرار احمد، ابوالحسن علی ندوی، طاہر القادری، اور وحید الدین خاں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مزید براں اس کتاب کا دامن کسی حد تک غلط رسم الخط، متعدد واقعاتی اور ص ۹، ۴۰، ۴۶، ۱۰۸، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۸ اور ۱۴۹ پر طباعتی اغلاط سے بھی داغدار ہے۔

مستشرقین کی تحریروں کی مذکورہ بھرمار، جس کا ایک معتدبہ حصہ واضح طور پر اسلام مخالف رہا ہے، کا مطالعہ کرلینے کے بعد کارل ڈبلیو ارنسٹ Carl W.Ernst (پ: ۱۹۵۰) کی تصنیف *How To Read The Qur'an* میں موجزن انصاف و معروضیت کی نمایاں لہر کا مشاہدہ فرحت بخش اور تسکین جاں دونوں کا موجب ہے۔ یہ کتاب اس حیثیت سے منفرد ہے کہ اس میں قرآن کے معنی و مفہوم اور پیغام کی عمیق جانچ کی ایک مخلصانہ اور محتاط کوشش کی گئی ہے۔ سب سے پہلے مصنف اس لیے تحسین کے مستحق ہیں کہ اس نے قرآن کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد کو بیان کیا ہے اور ان کی قدر کی ہے۔ مزید برآں وہ مغربی دنیا میں مطالعۂ قرآن کی راہ میں حائل دشواریوں پر ماتم کناں بھی ہیں۔ ان کے مطابق، قرآن یورپ اور امریکہ میں زبردست تشویش کا مسئلہ ہے۔ ایک طرف

مذہبی طبقہ میں جہاں اس کی بائبل کے بعد کی وحی الٰہی کے حیثیت کو لے کر سراسیمگی پھیلی ہے تو دوسری جانب سیکولر حلقہ کو گہرے شکوک لاحق ہیں کہ یہ مابعد روشن خیال دنیامیں ایک خلاف عقل وغیر منطقی قوت کامظہر ہے۔

ارنسٹ نے بڑے پیمانے پر قرآن کا انھیں خطوط پر تعارف کروایاہے جو مسلمانوں کے مسلمات ہیں۔ معنی خیز نکتہ یہاں یہ ہے کہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ''قرآن بائبل کے مقابلے میں عظیم تر متنی استحکام واستقلال کا مظاہرہ کرتا ہے''۔ ارنسٹ مستشرقین کی اس عام نسل سے ممتاز ہیں جو قرآن کو ''کم تر درجے کی ماخوذ کتاب'' یا ''شاندار یہودی-عیسائی روایتی صحائف کی ادنیٰ نقل'' بتاکر سطحی انداز میں خارج کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس ان کا پر زور بیان ہے کہ قرآن دراصل اسی سلسلے / روایت کا حصّہ ہے جس کا حصہ بائبل ہے۔ یہ عالم انسانیت کی ایک مشترکہ تہذیب کے جزء کی حیثیت سے سابقہ مذہبی متون سے جڑاہوا ہے۔ وہ اس بات پر مصر ہیں کہ قرآن پر بارہاجو منفی رائے زنی کی گئی ہے اسے بالائے طاق رکھ کر قرآن کو اپنے خود کے انداز اور اپنے ذاتی سیاق کے تناظر میں پڑھنا چاہئے۔ حالیہ مغربی قرآنی مطالعات پر ان کی تنقید دقت نظری اور صاف گوئی دونوں سے متصف ہے۔ ان کے بقول وانزبرا کا ترمیم پسند نظریہ ایک مفروضۂ محض ہے کیوں کہ براہ راست خارجی تاریخی ثبوتوں سے اس کی تایید نہیں ہوتی۔

اسی طرح وہ مائکل کک (پ: ۱۹۴۰) کے اس غیر مصدقہ دعویٰ کو یکسر خارج کر دیتے ہیں کہ ابتدائی ادوار کے اسلامی مآخذ ناقابل اعتبار ہیں۔ تاہم ان کی کہیں زیادہ جاندار اور اثر آفریں تنقید ابھی بالکل حالیہ دور کے انقلابی مطالعات قرآنی کے خلاف ہیں جن میں یہ دعوی کیا گیاہے کہ قرآن کا متن دراصل ایک عیسائی تصنیف تھا جسے بعد کے زمانے میں اسلامی خطوط کے مطابق ڈھال دیا گیا (G.Luling) یا یہ دعوی کیا گیا کہ قرآن دراصل سریانی زبان میں لکھا ہوا تھا لیکن پھر اسے مکمل طور پر غلطی سے عربی متن سمجھ لیا گیا (کرسٹوفر لکسمبرگ)۔ ان دونوں مصنفین نے اپنے استدلال کو استحکام بخشنے کے لیے یہ بے باک اور حد درجہ نامناسب قدم بھی اٹھایا کہ قرآن کے عربی متن میں قابل لحاظ تبدیلیاں کرڈالیں (ص ۳۱)۔

ارنسٹ کی اس پر زور بیان کے لیے ستائش کی جانی چاہیے کہ ''قرآن کے تاریخی پس منظر کا روایتی بیان، جو جزیرہ نمائے عرب میں نبی محمدؐ کی ذات پر مرکوز ہے، جملہ تحقیقات کا ناگزیر نقطۂ آغاز ہونا چاہیے''۔ ترمیم پسند مکتب فکر، جو اسلام اور قرآن دونوں کے ظہور کو نویں صدی کے شرق اوسط

سے منسوب کرتا ہے، کے تناظر میں ارنسٹ کا مذکورہ تبصرہ عظیم تر اہمیت و موزونیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ اسلام پر خامہ فرسائی کرنے والے متعدد مغربی مصنفین کے علی الرغم وہ سید قطب اور سید مودودی جیسے مسلم فضلاء کو "معتدل" ٹھہراتے ہیں۔

ارنسٹ کی کتاب میں ایک دوسرا دقیق نکتہ یہ بھی ہے کہ "اسلام مخالف بحث و استدلال میں" مستشرقین کے انگریزی تراجم قرآن منفی کردار ادا کرتے ہیں (ص ۷۰)۔ ۲۰۰۷ میں لندن کے گب میموریل ٹرسٹ سے شایع ہونے والا ایلن جونز Alan Jones (۱۹۳۳-۲۰۲۱) کا ترجمہ *The Qur'an Translated into English* مذکورہ منفی قسم کا تازہ ترین نمونہ ہے۔ اس میں قرآن پر حملہ کرنے اور اسے ممکنہ حد تک مشتبہ گرداننے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کیوں کہ یہ مستقلاً قرآن کا مرجع بائبل کو ٹھہراتا ہے، یکسر مناظرانہ ہونے کا ٹھپہ لگا کر اس کے معنی و مفہوم اور پیغام کو کچھ سے کچھ کر دیتا ہے اور اسے ایک محل نظر کتاب کے طور پر پیش کرتا ہے جو ہر خوبی سے تہی دامن ہے۔ ایک طرح سے جونز کا ترجمہ فی الواقع قرآن کے تئیں مغرب کی صدیوں پرانی عداوت کا منتہائے کمال ہے۔

مستشرقین کی ترجمۂ قرآن کی مہم اور ان کے مناظرانہ اغراض و مقاصد کے مابین کا رشتہ مارٹن لوتھر کے درج ذیل ناشائستہ تبصرے میں بالکل ظاہر ہو جاتا ہے: "مجھے یہ خیال سوجھا ہے کہ کوئی شخص محمد یا ترکوں کو نہ تو اس سے بڑھ کر اندوہناک صدمہ پہنچا سکتا ہے نہ تو اس سے زیادہ انھیں نقصان سے دوچار کر سکتا ہے کہ وہ ان کا قرآن دن کی روشنی میں عیسائیوں کے خدمت میں پیش کر دے تاکہ وہ اس میں دیکھ سکیں کہ من حیث المجموع یہ کس قدر ملعون، گھناؤنی اور مایوسی کا آخری حربہ ہے جو تمام طرح کی دروغ گوئیوں، توہمات اور ان سبھی تنفرات سے پر ہے جنھیں ترک چھپاتے ہیں اور مختلف تاویلات کرتے ہیں" (ص ۷۱)۔

ارنسٹ کا مشورہ ہے کہ متن قرآنی کو بنظر غائر دیکھنے کے لیے اور یہ تحقیق کرنے کے لیے کہ "اس کی ساخت کیسی ہے، اس کے مخاطب کون ہیں، اور یہ اپنی تہیں کیسے کھولتا رہا ہے" ہمیں ادبی اور تاریخی اسلوب اختیار کرنا چاہیے (ص ۷۴)۔ اسے عملی جامہ پہناتے ہوئے ارنسٹ نے ۷۵ قرآنی آیات کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ ہر چند کہ اس کی ترجمانی بڑی حد تک اصل کے مطابق ہے تاہم بعض آیات اور بالخصوص سورہ الکہف کی آیات کے ترجمہ میں اس نے ٹھوکر کھائی ہے (ص ۱۲۴-۱۳۰)۔ اس کے تین ضمیمے بھی مطالعۂ قرآن مجید میں کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

ارنسٹ کی کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ زوردار بیان ہے کہ قرآن کو ہر طرح کی غلط فہمی اور غلط تصورات سے آزاد ہو کر اس کی اپنی شرطوں پر پڑھنا چاہیے۔ اس سلسلے میں منصفانہ معروضی سنجیدہ مطالعۂ قرآن کی ایک حد درجہ خوشگوار مثال ہارورڈ کے تعلیم یافتہ امریکی فاضل تھامس کلیری Thomas Cleary (۱۹۴۹-۲۰۲۱) کا ترجمہ *The Qur'an: A New Translation* (۲۰۰۴) اور *The Essential Qur'an* (۱۹۹۱) ہے۔ یہ دور ایسا ہے کہ اسلام اور قرآن پر خامہ فرسائی کرنے والے بعض مغربی فضلاء بھی آگے بڑھ کر بے لاگ اور معروضی انداز میں اپنے علمی سرگرمیوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں تاکہ اسلام اور مغرب کے مابین باہمی افہام و تفہیم کو فروغ حاصل ہو سکے۔ آج اس کی بہت ضرورت ہے۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی تصنیف
”زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین“

ڈاکٹر عارف نوشاہی
ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد
naushahiarif@gmail.com

شیخ عبدالحق ”حقی“ محدّث دہلویؒ (۹۵۸-۱۰۵۲ھ / ۱۵۵۱-۱۶۴۲ء) [اس کے بعد: محدّث دہلوی] ۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء کے پہلے نصف میں حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے ہندوستان سے براستہ احمد آباد، بلد اللہ الحرام پہنچے اور شوال ۹۹۹ھ / ۱۵۹۱ء تک حرمین الشریفین میں قیام پذیر رہے۔ اس دو سالہ قیام میں انھیں جو روحانی فیوض و برکات نصیب ہوئے، سو ہوئے، اس مقدّس سفر کی رہ آورد کے طور پر انھوں نے علمی دنیا کو تین تحفے بھی دیے۔

ایک، **الفتوحات المکیۃ والفیوضات المدنیۃ**: یہ ان رسائل، متون، اجازت ناموں اور سندات پر مشتمل ہے جو محدث دہلوی کو مکّہ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ میں قیام کے دوران ملے اور انھوں نے حرم شریف میں بیٹھ کر نقل کر لیے۔ اس میں کچھ متفرق تحریریں اور خطوط کی نقلیں بھی ہیں۔ کچھ تحریریں سفر سے قبل اور بعد کی بھی ہیں۔ ایک طرح سے یہ شیخ کے سفر و قیام حرمین الشریفین کی بیاض (Notebook) ہے۔ راقم السطور نے اس کا فیکسی میلی ایڈیشن، مفصل مقدّمے اور فہارس کے ساتھ، ورلڈ ویو پبلشرز، لاہور، ۲۰۲۲ء سے شائع کر دیا ہے۔ یہ **الفتوحات** کے قلمی نسخے بخط مصنف (نسخہ کتب خانہ خیریہ، تاسیس کردہ پیر عبداللہ جان مجدّدی، پشاور) کا عکسی ایڈیشن ہے۔

دوسری، **جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب**: یہ مدینہ منورہ کی تاریخ بزبان فارسی ہے جو محدّث دہلوی نے ۹۹۸ھ / ۱۵۹۰ میں مدینہ منوّرہ میں لکھ لی تھی اور دہلی پہنچ کر ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۳ میں اس کا مسودہ صاف کیا تھا۔ یہ کتاب ہندو پاکستان میں کئی بار قدیم طرز پر چھپ چکی ہے، لیکن کوئی محقق

ایڈیشن میری نظر سے نہیں گذرا۔[۱]

اور تیسری، **زاد المتّقین فی سلوک طریق الیقین:** اس میں محدّث دہلوی نے ۹۹۷ تا شوال ۹۹۹ھ / ۱۵۹۱-۱۵۸۹ حرمین الشریفین میں اپنے علمی مشاغل، علما و شیوخ سے ملاقاتوں اور ان سے کسب فیض کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مواد بھی حرمین الشریفین کے قیام کے دوران جمع ہو چکا تھا۔ ہندوستان واپس آکر ۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۴-۱۵۹۵ میں اس کو شرح و بسط دے کر باقاعدہ تصنیف بنایا۔ یہی کتاب اس وقت زیر بحث ہے۔

محدّث دہلوی نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے کہ جب وہ مکّہ مکرمہ پہنچے تو ان کو شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہ قادری شاذلی متقی (وفات: ۱۲ربیع الاول ۱۰۱۲ھ / ۲۰ اگست ۱۶۰۳) کی صحبتیں نصیب ہوئیں۔ بچشم خود ان کے احوال دیکھے، جو اُن کی ولایت، وفورِ علم، قوّتِ عمل، متانتِ قول، عظمتِ خُلق، صحتِ حال، کمالِ متابعت اور نہایتِ استقامت پر دلالت کرتے تھے۔ لوگوں سے بھی ان کی غریب الوطنی، سیاحت، ریاضت، مجاہدات، کرامات کے بارے میں سنا اور اہل دیار بھی ان کے علوِ شان اور رفعتِ مکان پر متفق القول تھے۔ محدّث دہلوی تقریباً دو سال تک ان کی خدمت میں رہے اور اس دوران ان کے طریقے، اوضاع اور آداب مشاہدہ کیے۔[۲] شیخ عبدالوہاب نے انھیں مختلف سلاسل میں اجازت خرقۃ التصوّف بھی لکھ کر دیا تھا جس کی نقل محدّث دہلوی نے **الفتوحات** اور **زاد المتقین** میں موجود ہے۔[۳] انھوں نے شیخ عبدالوہاب سے اُن کے شیخ اور استاد شیخ علی بن حسام الدین متقی برہان پوری (۲-۸۵۵ جمادی الاول ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷-۱۴۵۱) کے علاوہ، مکّہ مکرمہ میں مقیم دیگر معاصر اور قریب زمانے کے مشایخ و صلحا کے حالات بھی سنے یا دیکھے اور یادداشتیں لکھ لیں۔ یہ سب کچھ انھوں نے دہلی واپس آکر تفصیل سے ۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۴-۱۵۹۵ میں قلم بند کیا۔ محدّث دہلوی نے اپنی اس کتاب کے دو نام تجویز کیے ہیں، ایک: **زاد المتّقین فی سلوک طریق الیقین**، دوسرا: **صراط مستقیم و منہج قویم**۔ تیسرا نام انھوں نے بطور لقب: **میزان عدل و دین حق** تجویز کیا

---

[۱] عارف نوشاہی، کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ، ج ۴، ص ۲۲۹۴

[۲] عبدالحق محدّث دہلوی، زاد المتقین، ص ۷

[۳] عبدالحق محدّث دہلوی، الفتوحات المکیۃ والفیوضات المدنیۃ، ص ۹۷-۹۹؛ ایضاً، زاد المتقین، ص ۱۹۳-۲۰۶

ہے۔[۴] تاہم یہ **زاد المتقین** کے نام ہی سے مشہور ہے۔ خود محدّث دہلوی نے اپنی تیار کردہ فہرست تصانیف میں اس کا تعارف یوں لکھا ہے:

زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین، در احوال شیخ عارف کامل متبع، علی متقی و خلیفۂ راستین وی شیخ ولی مقتدا، عبد الوہاب متقی قدس اللہ سرّہما و بعضی دیگر از مشایخ از دیارِ عرب و عجم و اہل حرمین شریفین زاد ہما اللہ تشریفا و تعظیما، رسالہ ایست بسی مفید و نافع مر قاصدان صراط مستقیم و سالکان طریق قویم را۔ درین رسالہ [بہ] تقریب، بعضی احوال این غریب و تشرّف بہ خدمت حضرت شیخ نیز مذکور شدہ است، مقدار چہار ہزار بیت[۵]۔

(**زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین**، شیخ عارف کامل متبع، علی متقی اور ان کے سچے خلیفہ، شیخ ولی مقتدیٰ، شیخ عبد الوہاب قدس اللہ سرّہما اور عرب و عجم کے بعض دیگر مشایخ اور اہل حرمین شریفین زاد ہما اللہ تشریفا و تعظیما کے حالات میں، یہ صراط مستقیم کا قصد کرنے والوں اور درست راستے پر چلنے والوں کے لیے بہت ہی مفید اور نافع رسالہ ہے۔ اس رسالے میں اسی مناسبت سے اس فقیر کے بعض اپنے اور شیخ عبد الوہاب کی خدمت میں حاضر ہونے کی حالات بھی درج ہوئے ہیں، چار ہزار سطور ہیں۔)

محدّث دہلوی نے کتاب کے مضامین کو تین "مقصد" پر تقسیم کیا ہے۔ پہلا مقصد: شیخ علی متقی برہان پوری کے احوال و مقامات؛ دوسرا مقصد: شیخ عبد الوہاب متقی کے احوال و مقامات اور تیسرا مقصد: عرب و عجم کے بعض مشایخ و فقرا کے احوال و اخبار پر ہے جو اُس دیار میں مقیم ہیں۔ پہلے دونوں "مقصد" میں مزید پانچ پانچ ابواب ہیں۔ تیسرے مقصد میں ۲۹ مشایخ و فقرا کا ذکر ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ شیخ محمد بن عراق، ۲۔ شیخ ابو الحسن البکری المصری الشافعی، ۳۔ شیخ محمد بن الشیخ ابی الحسن بکری، ۴۔ سید عبد اللہ حضر موتی قادری، ۵۔ شیخ ابو بکر خطاب، ۶۔ سیدی الشیخ ابو بکر بن سالم الیمینی الحضرمی، ۷۔ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر المکی الھیثمی، ۸۔ شیخ محمد قضاعی، از فقہاے مصر، ۹۔ شیخ احمد ابو الحرم المدنی، ۱۰۔ شیخ علی بن جار اللہ القرشی الخالدی المخزومی المکّی، ۱۱۔ شیخ محمد الحنفی المنامی، از ولایت شام،

---

[۴] عبد الحق محدّث دہلوی، زاد المتقین، ص ۷-۸

[۵] عبد الحق محدّث دہلوی، تالیف قلب الالیف بکتابۃ فہرست التوالیف، ص ۴۱۸

۱۲۔ شیخ محمد البنوفری المصری المالکی، ۱۳۔ شیخ محمد بھنسی، از مصر، ۱۴۔ سید جعفر، سمرقندی الاصل ساکن مدینہ، ۱۵۔ سید حاتم بن احمد الاھدل الیمنی المخابي، ۱۶۔ سیدی الشیخ الحضرمی، ۱۷۔ سیدی شیخ محمد الحضرمی، ۱۸۔ شیخ عیسی المغربی المدنی، ۱۹۔ شیخ علی بن عیسی البجلی القادری، از دیار حجاز، ۲۰۔ شیخ ابو اللطیف، از اہل مصر، ۲۱۔ مولانا اسماعیل شروانی نقشبندی، از مریدان خواجہ عبید اللہ احرار، ۲۲۔ میر زکریا، ہندی یمنی، ۲۳۔ مولانا الشیخ حاجی نظر البدخشی، از بدخشان، ۲۴۔ مولانا نصر اللہ شیرازی، ۲۵۔ شیخ حبیب اللہ شیرازی قادری، مقیم بصرہ، ۲۶۔ شیخ عبد اللہ و شیخ رحمت اللہ السندی المدنی، از دیار ہندوستان [سندھ]، ۲۷۔ مولانا عبد اللہ سندی [اصلاً از سندھ]، ۲۸۔ فقیہ محمد نایتہ شافعی، از رانیر بندر سورت، ۲۹۔ میاں خدا بخش دکنی۔

زاد المتّقین ۱۴۴۴ھ / ۲۰۲۳ میں ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا (اس کے بعد: مرتّب) کی تصحیح، تعلیقات اور مقدمے کے ساتھ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجدّدیہ، کُندیاں، ضلع میانوالی، پنجاب پاکستان سے پہلی بار شائع ہوئی ہے۔ مرتّب کا مقدّمہ ٦٦ صفحات اور متن، تعلیقات اور اشاریہ ۴۱۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ بنیادی طور پر مرتّب کا پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ڈاکٹریٹ (فارسی) کا مقالہ ہے جس پر ۱۹۹۸ میں کام شروع ہوا اور ۲۰۱۳ میں ڈگری ملی۔ اس پر پندرہ سال کیوں لگے؟ اس کی تکلیف دِہ روداد مرتّب نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں بیان کی ہے۔[٦] مرتّب نے زاد المتقین کی تصحیح و تقابل میں چار قلمی نسخے استعمال کیے ہیں، جن میں اَقدم قومی عجائب گھر پاکستان، کراچی کا نسخہ ہے جس پر ۱۰۷۸ھ کی ایک مُہر ثبت ہے۔[۷] دو نسخے پشاور کے کتب خانوں (اسلامیہ کالج؛ پیر عبد اللہ جان مجدّدی) سے اور ایک برٹش لائبریری لندن سے لئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں چھ ایسے نسخوں کا ذکر کیا ہے جو سب کے سب ہندوستان کے مختلف کتاب خانوں میں ہیں، لیکن مرتّب انھیں حاصل نہیں کر پائے۔

زاد المتقین، نسخۂ رامپور: ان میں سے ایک نسخہ، رضا رامپور لائبریری (نمبر ۵۹۵۴م) میں ہے۔ یہ نسخہ بہت اہم ہے۔ اسے کسی کاتب سے لکھوایا گیا[۸] لیکن اس کا مقابلہ خود مصنف محدّث دہلوی

---

[٦] محمد نذیر رانجھا، متاع قلیل، ص ۳۷۳-۳۸۳

[۷] عارف نوشاہی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزہ ملی پاکستان کراچی، ص ۷۸۰

[۸] اس نسخے کے پہلے خالی صفحے پر دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے پروفیسر نثار احمد فاروقی (۱۹۳۴-۲۰۰۴ء) کی ایک یادداشت محررہ ۱۱ جون ۲۰۰۰ ہے جس میں انھوں نے نسخے کو بخط شیخ عبد الحق محدث دہلوی قرار دیا ہے۔ میرے گمان

نے کیا اور اختتام پر اپنے سواد تحریر میں ایک یادداشت لکھی کہ انھوں نے ممکنہ حد تک اپنے ہاتھ سے جلدی میں اس نسخے کا مقابلہ ۱۳ رجب ۱۰۲۶ھ (۱۷ جولائی ۱۶۱۷) کو کیا (دیکھیے تصویر ۲)۔ محدّث دہلوی کے تقابل کے نتائج نسخے کے متعدد اوراق پر دیکھے جاسکتے ہیں جہاں انھوں نے کاتب کے قلم سے چھوٹی ہوئی عبارات، اپنے قلم سے لکھی ہیں (بطور مثال و حوالہ: ورق اب، ۷ب، ۱۲ اب، ۱۴ب، ۱۸ الف و مواضع متعددہ)۔ محدّث دہلوی نے مقابلے کے دوران صرف از قلم افتادہ عبارتوں کے لکھنے کا اہتمام ہی نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے نئی معلومات کا اضافہ بھی کیا ہے: یہ نئی معلومات صرف اِسی نسخے میں ملتی ہیں اور زادالمتقین کے دیگر متداول نسخے ان سے فاقد ہیں۔

محدّث دہلوی کی تقابل کی یادداشت کے ساتھ ہی کونے پر احمد نامی شخص[۹] کی یادداشت بھی ہے جس کے مطابق ۲۳ شعبان ۱۰۲۶ھ (۱۲۶ اگست ۱۶۱۷) کو حضرت مصنف کی عنایت سے یہ نسخہ انھیں (احمد) مل گیا (دیکھیے تصویر ۲)۔ دونوں حضرات کی اصل عبارتیں یہ ہیں:

۱. تمّت مقابلته بقدر الإمكان على طريق الاستعجال على يد مؤلفه الفقير الحقير عبدالحق بن سيف الدين الدهلوى التُرک البخارى غدوة يوم الإثنين الثالث عشر من شهر رجب المرجب سنة ألف وست وعشرين من هجرة خير الخَلق وسيّد المرسلين صلى الله عليه وعلى آله و أصحابه وأتباعه هداة طريق الحق ومحيى علوم الدين.

۲. تاریخ بیست و سیوم ماه شعبان، روز شنبه، سنه الف و ست و عشرین بموجب عنایت حضرت مصنف سلمه الله تعالى بفقير احمد رسید.[۱۰]

نسخہ رام پور کے پہلے ورق پر دو مہریں ہیں۔ ایک میں "نصر من اللہ فتح قریب ۱۰۶۰" اور دوسری میں "سید حمید الدین مرتضی علی ۱۱۴۲" کندہ ہے۔ اسی ورق پر سید محمد فضل اللہ کی لکھی ہوئی ایک مفصل یادداشت ہے۔ انھوں نے ظَہر نسخہ پر کتاب کا نام زاد المتقین کی بجائے 'منقبات اولیاو منقبات

میں ایسا نہیں ہے۔ متن اور حاشیے کا خط قدرے مختلف ہے اور شیخ نے بھی صرف مقابلے کی بات کی ہے۔ اگر نسخہ انھوں نے خود کتابت کیا ہوتا تو اس بات کا اظہار بھی کر دیتے اور باقاعدہ ترقیمے لکھتے۔ نسخہ ترقیمے کے بغیر ہے۔ نیز اصل متن (حوض) میں اس قدر الفاظ اور عبارتیں چھوٹی ہوئی ہیں کہ محدث دہلوی کے قلم سے بعید ہے۔

[۹] فاروقی صاحب (محوّلہ یادداشت) کا گمان ہے کہ احمد سے مراد غالباً شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ہو سکتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ مجدد الف ثانی کا نام احمد تھا اور وہ ۱۰۲۶ھ میں بقید حیات بھی تھے، لیکن یہ محض قرینے ہیں۔

[۱۰] میں ڈاکٹر سیّد حسن عباس، سابق ڈائریکٹر رضا رامپور لائبریری کا ممنون ہوں جن کی وساطت سے زاد المتقین نسخۂ رام پور کا عکس مہیا ہوا۔

شیخ علی متقی' لکھا ہے اور اس یادداشت میں بتایا ہے کہ سلطان محمود نے اپنے شیخ طریقت سید محمد الحسینی کے نام پر ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام محمد آباد عرف کالپی رکھا۔ شہر کی آبادکاری کا مادّہ تاریخ "بنا کرد کالپی را سلطان محمود" / ۸۹۷ھ دیا ہے (دیکھیے تصویر ۳)۔ نسخہ بہ خط نستعلیق ہے، سرخیوں کا اہتمام (شنگرف) کیا گیا ہے۔ کل ۱۶۴ اورق ہیں۔ تقطیع چھوٹی ہے، مسطر ۱۵ سطری ہے۔ حاشیے پر درج تمام سرخیاں اور کچھ اضافہ شدہ عبارات، متن کے کاتب سے جدا، کسی اور کاتب کے قلم سے ہیں (جیسے ورق ۵۴ الف)۔ ان سرخیوں اور اضافات کا قلم بالکل وہی ہے جو احمد نامی شخص کی یادداشت کا ہے۔ گمان غالب ہے کہ جب یہ نسخہ احمد نامی مذکورہ شخص کی تحویل میں آیا تو انھوں نے مطالعے کے دوران یہ کام انجام دیا۔ ایسے اضافات کا خط پہلی ہی نظر میں محدث دہلوی کے خط سے متمایز ہے۔

اگر کسی کو زاد المتقین کی دوبارہ تدوین و ترتیب کا موقع ملے تو رامپور کے نسخے کو بنیاد بنایا جانا چاہیے جو مصنف کا دیکھا ہوا اور مقابلہ کیا ہوا ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ نسخۂ رامپور پر مصنف کے قلم سے کچھ ایسے اضافات ہیں جو ڈاکٹر رانجھا کے زیر استعمال نسخوں میں نہیں ہیں اور نتیجے کے طور پر ان کے مرتّبہ متن میں بھی نہیں ہیں۔ میں چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں:

۱۔ زاد المتقین کے دیباچے کی نعتیہ عبارت "محمد و آلہ وصحبہ اجمعین" (طبع رانجھا، ص ۳، س ۲) کے بعد نسخۂ رام پور (ورق اب) میں یہ اضافہ ہے: ھداۃ طریق الحق و محیی علوم الدّین۔

۲۔ شیخ علی متقی نے اپنے مشائخ صحبت کے بارے میں جو عربی تحریر لکھی ہے (طبع رانجھا، ص ۱۹-۱۸) نسخۂ رامپور میں اسی کے حاشیے پر شیخ عبد الحق نے یہ اضافہ کیا ہے: حضرت شیخ عبد الوہاب متقی رحمہ اللہ علیہ می فرمودند کہ ظاہر باخذ این قول بقیاس بر چہار نوع است کہ در فقر مذکور است (نسخہ رامپور، ۱۲ب)

۳۔ وادنیٰ آں کہ کسی را بہ خانۂ خود طلبیدہ بخورانند (طبع رانجھا، ص ۲۷، سطر ۱۷)۔ رام پور کے نسخے میں اس کے بعد حاشیے میں شیخ نے یہ اضافہ کیا ہے: گفت کاتب حروف عافاہ اللہ کہ تفاوت این اقسام بتفاوت احوال اضیاف است و کلام حضرت شیخ رحمہ اللہ علیہ در فقرا است و بعضی مردم باشند کہ نقد فرستادن وطعام ناپختہ فرستادن را اہانت و تحقیر پندارند و از طلبیدہ خورانیدن عزّت و تکریم دانند (ورق ۱۸ الف)

۴۔ ڈاکٹر رانجھا کے مدوّنہ متن (ص ۲۸، س ۴) پر شیخ علی متقی کا ایک واقعہ اس عبارت پر ختم ہو جاتا ہے: از ہمہ چیز خبر دار می بودند۔ رامپور کے نسخے میں اس عبارت کے بعد یہ اضافہ ہے: و در ایام قحط این را بسیار می کردند و می گفتند کہ درینجا قطع تعلق و ابراز ذمہ و امتحان صدق باطن و حقیقت حال است۔ (ورق ۱۸ اب)

۵۔ رباطی وسیع برای فقرای ایشان عمارت کردہ شود (طبع رانجھا، ص ۳۷، س ۲)۔ رامپور کے نسخے میں اس رباط کا محل وقوع بھی بتایا گیا ہے: اتفاق بر مکانی کہ خارج مکّہ معظمہ است و آن را برکۂ ماجد گویند، افتاد (ورق، ۲۴ الف)

۶۔ ہریسہ ٔاو در آن محلہ مشہور شد (طبع رانجھا، ص ۳۷، س ۱۱)۔ رامپور کے نسخے میں حاشیے پر یہ اضافہ ہے: ذکر ہریسہ بطریق اتفاقست، کہ... (ناخوانا) ایشان شدہ... (ناخوانا) است و تمام سال می پزند و می فروشند (ورق، ۲۴ الف)

۷۔ جہاں شیخ عبد اللہ حضر موتی قادری کا ذکر ہے (طبع رانجھا، ص ۴۵، س ۱۲)۔ رامپور کے نسخے میں وہاں حاشیے پر مصنف نے حضر موت کے بارے میں یہ لکھا ہے: بحاء مہملہ و سکون ضاد معجمہ؛ حضر موت بلدۂ مشہور است از یمن و وجود اولیا و صلحا در آنجا بسیار می باشد تا گفتہ اند حضر موت ینبت الأولیا (ورق ۲۹ ب)

۸۔ این لفظ برای گربہ مسنون و ماثور است (طبع رانجھا، ص ۱۰۳، س ۱۳)۔ رامپور کے نسخے میں اس کے بعد یہ عبارت ہے: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سہ بار پیش گربہ طعام می انداختند و بعد ازاں می فرمودند کہ دیگر شکار کردہ بخورید (ورق ۶۵ ب)

۹۔ مواہب الرحمان و شرح آں کہ بعضی از علمای مصر تصنیف کردہ اند ظاہر می شود (طبع رانجھا، ص ۱۱۰، س ۱۲)۔ رامپور کے نسخے میں اس کے بعد یہ عبارت ہے: فرمودند ایں خاطر شما ظاہراً از مطالعہ مشکات آمدہ است کہ اکثر احادیت آن موافق مذہب شافعیہ است۔ ایشان احادیث موافق مذہب خود تتبع و تفحص کردہ جمع نمودہ اند اما درینجا احادیث دیگر است۔ راجح تر از آن کہ مذکور است در کتب۔ وباللہ التوفیق (ورق ۷۰ ب)

۱۰۔ بشاشت در وجہ شریف ایشان پیدا شد (طبع رانجھا، ص ۱۷۹، س ۲)، اس کے بعد نسخۂ رامپور میں یہ اضافہ ہے: و از روی خوشحالی خندہ کردند (ورق ۱۱۲ الف)

۱۱۔ حدیث: " احد جبل یحبنا و ..." (طبع رانجھا، ص ۲۳۶، س ۸) کے توضیحی حاشیے کے طور پر رامپور کے نسخے میں یہ عبارت ہے: اُحد جبل مشہور است و در مقابل آن نیز کوہی است کہ منافقان آنجا می بودند (ورق ۱۴۳ ب)

۱۲۔ وباوجود آن مردی یمنی بود (طبع رانجھا، ص ۲۴۹، س ۷)۔ "وباوجود آن" اور "مردی یمنی بود" کے درمیان ایک اور واقعہ ہے جس کا تعلق یمنی مرد سے نہیں بلکہ خود محدث دہلوی سے ہے۔ جیسا

کہ رامپور کے نسخے میں حاشیے پر محدث دہلوی کے قلم سے درج ہوا ہے: [وباوجود آن] شبی در وقت بین العشائین در مسجد در مقابل وجہ شریف نشستہ بودم کہ جوانی نو خاستۂ نحیفِ ضعیفِ والہ در رسید وبنیاد ذکر کرد۔ دو سہ بار تکرار نکردہ بود کہ بے ہوش افتاد واز خود رفت۔ تازمانی کہ افتادہ بود از خود خبر نداشت۔ دیگر [مردی یمنی بود] (ورق ۱۵۱ب)

۱۳۔ خدای تعالی مرا بدان بجشند (طبع رانجھا ص ۲۶۶، س ۴)۔ رامپور کے نسخے میں اس کے بعد حاشیے میں یہ عبارت ہے: وی گفت کہ مامشکاتِ خود را حنفی ساختہ ایم بہ جہت آن کہ در حواشی تحقیق مذہب حنفی و تصحیح آن نمودہ است (ورق ۱۵۹ب)

۱۴۔ وی بر درِ آن رباط افتادہ می باشد (طبع رانجھا، ص ۲۶۸، س ۱۰)۔ اس سے مربوط رامپور کے نسخے میں حاشیے پر محدث دہلوی کے قلم سے ایک عبارت ہے: "وبجہت خرابی مزبلہ نقش؟ شدہ وعریان، وآن راخوش می گویند (ورق ۱۶۱الف)

بعض مقامات پر ڈاکٹر رانجھا کے اختیار کردہ متن اور رامپور کے نسخے کے متن میں جزوی طور پر اختلاف بھی ہے۔ یہ عبارت دیکھیے: یاران گفتند کہ این اسباب بہ این مبلغ نمی ارزد۔ فرمودند خاموش باشید ایشان یار ما اند، ما ایشان را در زمان شیخ دیدہ بودیم (طبع رانجھا، ص ۷۷)۔ رامپور کے نسخے میں یہ عبارت اس طرح ہے: یاران گفتند کہ این اشیا بہ ہیچ نمی ارزد۔ این مقدار مبلغ در بہای آن نمی توان داد۔ فرمودند شما نمی دانید و فرمودند کہ این مرد آشنای قدیم ماست و اورا در مجلس حضرت شیخ دیدہ بودیم (ورق ۴۸ب)

نسخۂ رامپور میں ایک مقام پر (ورق ۱۱۴) کاتب نے متن کی طویل عبارت ایک صفحے کے بقدر چھوڑ دی ہے۔ محدث دہلوی نے وہاں صفحے کے چاروں اطراف وہ عبارت "ونشانی ازین معنی یافتہ می شود... عرض کردہ شد کہ بعضی مردم حزب کبیر" اپنے قلم سے نقل کی ہے (مطابق طبع رانجھا، ص ۱۸۳-۱۸۱)۔ ایک دوسرے مقام پر بھی کاتب نے شیخ محمد بن شیخ ابی الحسن بکری کے حالات میں ایک پوراواقعہ چھوڑ دیا ہے از "می فرمودند کہ طالب علمی عجمی می گفت" تا "فرمودند کہ این حکایت بغایت نادر است، واللہ اعلم" (طبع رانجھا، ص ۲۱۳، س ۳)۔ محدث دہلوی نے اسے حاشیے پر نقل کیا ہے (ورق ۱۲۹ب)۔

جن دس نسخوں کا مرتّب نے ذکر کیا ہے (مقدمہ، ص شصت وسہ-شصت وپنج)، اس کے علاوہ بھی زادالمتقین کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں، جیسے خانقاہ کاظمیہ کاکوری شریف کانسخہ جو ۱۱۲۳ھ / ۱۷۱۱

کا مکتوبہ ہے۔ پروفیسر مسعود انور علوی کا اردو ترجمہ اسی نسخے کی بنیاد پر ہے۔ مدرسہ محمدیہ بمبئی (نمبر PM152/B مجموعہ میں دوسرا رسالہ) میں بھی ایک نسخہ ہے لیکن اس کی تاریخ نہیں ہے۔ ایک نسخہ پروفیسر اقتدار حسین صدیقی (۱۹۳۷-۲۰۱۶ء) صدر شعبۂ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پاس تھا۔ یہ نسخہ بلا تاریخ گیارھویں صدی ہجری / سترھویں صدی عیسوی کا ہے۔[۱۱]

موجودہ اشاعت میں ایک کمی نظر آئی۔ مرتّب نے اپنے زیر استعمال قلمی نسخوں میں سے کسی ایک کا بھی بطور نمونہ، عکس نہیں دیا جس سے نسخوں کی کیفیت معلوم ہو سکے۔ علمی دنیا میں یہ چلن عام ہے کہ تدوین کردہ متن کے ساتھ اس کے مخطوطات کے بعض صفحات کا عکس بھی دیا جاتا ہے۔

مرتّب نے زاد المتقین کے متن کی صحت کا بہت لحاظ رکھا ہے اور نسخوں میں اگر لفظی اختلاف اور سہو کتابت تھا، ان میں سے صحیح لفظ کو اختیار کیا ہے۔

الفتوحات المکیۃ والفیوضات المدنیۃ، زاد المتقین اور جذب القلوب میں کچھ مشترکات بھی ہیں اور ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ محدّث دہلوی نے زاد المتقین میں جن مشائخ کے حالات لکھے ہیں، ان میں سے بعض کے رسائل اور اجازت نامے، الفتوحات میں نقل ہوئے ہیں۔ ان میں شیخ عبدالوہاب اور شیخ علی متقی کے رسائل بھی شامل ہیں۔ جذب القلوب کی آخری فصل، جو فضائل درود وصلوات میں ہے، وہاں محدث دہلوی نے مدینہ روانگی سے قبل عبدالوہاب متقی سے حاصل ہونے والے صیغۂ درود کا ذکر کیا ہے۔[۱۲]

مرتّب جب زاد المتقین پر بطور پی ایچ ڈی مقالہ کام کر رہے تھے، اس وقت تک الفتوحات کے بارے میں صرف دو تعارفی مضمون چھپے تھے: ایک محمد صغیر حسن معصومی (۱۹۱۸-۱۹۹۶ء) کا اور دوسرا راقم السطور کا۔ مرتّب نے ان دونوں مضامین سے استفادہ کیا ہے اور حوالے بھی دیے ہیں۔ زاد المتقین کی موجودہ اشاعت سے ایک سال قبل الفتوحات شائع ہو گئی تھی جو غالباً مرتّب کے علم میں نہیں ہے، کیوں کہ مرتّب کے مقدمے میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ

---

[۱۱] Iqtidar Hussain Siddiqui, "Zad al-Muttaqeen wa Saluk-i-Tariq al-Yaqin", in *Purā-prakāśa*, Dr. Z.A.Desai Commemoration volume, Edited by A.K.Shama, M.Ilyas. Quddusi, M.Yasin.Quddusi, G.S.Khwaja, Delhi, 2003, vol. II, pp. 359-363

[۱۲] عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب، ص ۳۹۸

زاد المتقین کا متن (مرتّبہ رانجھا صاحب) الفتوحات کی ۲۰۲۲ء میں اشاعت سے کئی سال پہلے تہران میں کمپوز اور تیار ہو چکا تھا اور اس میں کسی قسم کا تصرّف کیے بغیر ۲۰۲۳ء میں اس کی پی ڈی ایف سے اشاعت عمل میں آگئی، اس لیے اس میں الفتوحات کی اشاعت کا ذکر شامل نہ ہو سکا۔

مرتّب نے مقدّمے میں خصوصیت کے ساتھ زاد المتقین کے اردو ترجموں کا ذکر نہیں کیا لیکن صرف فہرست مآخذ میں عبدالحلیم چشتی کے ترجمے کا اندراج موجود ہے (ص۴۰۹)۔ زاد المتقین کا اصل فارسی متن شائع ہونے سے قبل، اس کے مندرجہ ذیل دو اردو ترجمے شائع ہو چکے تھے:

پہلا ترجمہ، ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی فاضل دارالعلوم دیوبند کا ہے جو انھوں نے ۱۹۷۲ میں مکمل کر لیا تھا اور الرحیم اکیڈمی، کراچی سے ۱۹۹۸ء میں چھپا۔ سرورق پر 'ترجمہ و تشریح' لکھا ہے لیکن تشریح کہیں الگ سے نظر نہیں آئی۔ مترجم کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مختلف نسخوں کے تقابل سے پہلے اس کا فارسی متن تیار کیا، پھر اسی متن سے اردو ترجمہ کیا۔ وہ اپنا مرتّبہ فارسی متن بھی چھاپنا چاہتے تھے لیکن یہ منظر عام پر نہیں آیا۔ مترجم نے اپنے زیر استعمال نسخوں کا عمومی ذکر کیا ہے لیکن کسی خاص نسخے کا ذکر نہیں کیا: "یہ کتاب [زاد المتقین] بہت نادر ہے۔ اس کے خطی نسخے سرزمین ہندو پاک میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ راقم السطور نے اس کتاب کا نسخہ کیونکر حاصل کیا اور دوسرے نسخہ سے اس کا مقابلہ کس طرح کیا... اس کے نسخوں کو یورپ جاکر ڈھونڈا پڑھا [کذا: ڈھونڈنا پڑا؟ یا: ڈھونڈا، پڑھا]، ان امور کا تذکرہ مقدمہ کتاب میں کیا جائے گا۔"[۱۳] لیکن نہ کتاب چھپی نہ مقدمۂ کتاب، جس سے ڈاکٹر چشتی کے زیر استعمال نسخوں کا علم ہوتا۔ زاد المتقین کے دوسرے مترجم ڈاکٹر مسعود انور علوی نے ڈاکٹر چشتی کے ترجمے پر خاصی گرفت کی ہے۔ ان کا مجموعی تاثر یہ ہے: "فاضل ترجمہ نگار [عبدالحلیم چشتی] نے یا تو کسی نہایت غلط مخطوطہ کی مدد سے ترجمہ کیا یا نہ معلوم کیوں بکثرت مقامات پر ایسا ترجمہ فرمایا ہے کہ نہ صرف نفس مضمون خبط ہوا بلکہ بات کہاں سے کہاں جا پہونچی"۔ ڈاکٹر علوی نے اس کے بعد نواقص اور اغلاط کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے۔[۱۴]

دوسرا ترجمہ، پروفیسر مسعود انور علوی (صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا ہے جو انھوں نے حافظ شاہ مجتبی حیدر قلندر کاکوروی کے حکم پر تقریباً ۱۹۸۹ میں کیا اور بعض موانع کے باعث

---

[۱۳] محمد عبدالحلیم چشتی، مقدمہ ترجمہ زاد المتقین، کراچی، ص ۳۴

[۱۴] مسعود انور علوی، مقدمہ زاد المتقین، ص ۶۶-۶۷

۲۰۰۹ میں خود انھوں نے علی گڑھ / کاکوری سے شائع کیا۔ سرورق پر ”اردو ترجمہ و مقدمہ و حواشی“ لکھا ہے لیکن حواشی کہیں نظر نہیں آتے۔ البتہ اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ متن میں وارد عربی عبارات اور فارسی اشعار کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں اردو تراجم اشاریے کے بغیر ہیں۔

مرتّبِ زاد المتقین نے کتاب کے آخر میں جو اشاریے لگائے ہیں، ان میں مزید ایک اشاریے کی ضرورت تھی۔ کتاب میں چند ایک مقامات پر ہندی الفاظ آئے ہیں، اگر ان کا اشاریہ مع فرہنگ لگا دیا جاتا تو ہندی نہ جاننے والوں کے لیے مفید ہوتا۔ راقم کو کتاب کے مطالعے کے دوران جو ہندی الفاظ نظر آئے وہ یہ ہیں: اچار ۴۳، ۲۴۱، ۲۷۱؛ بھاکری ۱۳۵؛ پالکی ۴۹؛ تیل ۱۱؛ جگری [کذا: جکری، ذکری کی بگڑی ہوئی شکل) ۸۹؛ جوار ۱۳۵؛ جوگی و جنگم ؟ ۱۴۱؛ جھولی ۲۹، ۳۰، ۳۸، ۱۲۳؛ چہار پایی (ہندوستانی مفہوم میں) ۶۱، ۷۷؛ دوہڑہ ۶۰؛ راکس ۱۵۴؛ میاں ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۲؛ ہرتاب (ایک سکّہ) ۱۳۶؛ ہندی شعر ۶۰

اس اشاعت پر کچھ راقم السطور کے عمومی ملاحظات بھی ہیں۔ جیسے:

- مرتّب نے اپنے مقدمے میں زاد المتقین کے اصل موضوع پر کچھ زیادہ روشنی نہیں ڈالی۔
- چند ایک مقامات پر باقتضائے مصلحت کوئی لفظ یا الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں (ص ۵۶، ۱۲۱ متعدد بار)
- چند ایک مقامات پر کمپوزنگ، رموزِ اوقاف اور علاماتِ سجاوندی کے مسائل بھی نظر آئے ہیں۔ جیسے: وجہۂ طلب (ص ۱۰، درست: وجہِ طلب)؛ ایشان در حجرہ رابستہ (ص ۱۲، درست: درِ حجرہ)؛ قوت خود راازوجہ کتابت می کردند (ص ۲۷، درست: قُوّت کی واو سکون کے ساتھ)؛ بخوارانند (ص ۲۷، بخورانند)؛ نشتند (ص ۳۵، درست: نشستند)؛ باری بر سر کردہ و پیش ما آمدند (ص ۴۸، اس میں واو زائد ہے)؛ حالتی شنگرف (ص ۴۸، درست: حالتی شگرف)؛ بگفتہ شیخ (ص ۴۹، درست: بگفتۂ شیخ)؛ دو ہرہ (ص ۶۰، دو اور ہرہ کے درمیان فاصلہ نہیں ہونا چاہیے تھا یہ ہندی لفظ دوہڑہ ہے)؛ تزویج نکردند، تزویج کردند (ص ۷۵) یہاں دونوں مقامات پر تزوّج ہونا چاہیے؛ جگری (ص ۸۹، درست: جکری)؛ ریزہ براشتند (ص ۱۰۳، درست: ریزہ برداشتند)؛ می کردند. می گفتیم (ص ۱۰۴، یہاں می کردند کے بعد ختمہ (فل اسٹاپ) کی بجائے کاما، کی ضرورت تھی)؛ دصتِ چپ (ص ۱۳۴، درست: دستِ چپ)؛ ذبونی (ص ۱۴۵، درست: زبونی)؛ بعدہ از آنجا

بر آیید (ص ۱۷۷، یہ جملہ سوالیہ ہے، علامت سوال (؟) کی ضرورت تھی)؛ از ارباب احوال سنیہ (ص ۱۷۷، یہاں جملہ ختم ہو جاتا ہے، ختمہ کی ضرورت تھی)؛ این کار دولت است کنون تا کہ رار سد (ص ۲۱۴، مرتّب نے اسے نثر کے ٹکڑے کے طور پر لکھا ہے، یہ سیف فرغانی کی ایک غزل کا مصرع اولیٰ ہے، مصرع ثانی یہ ہے: قرب جناب تو حد و مقدار مانبود۔ مصرع اولیٰ کو اس طرح لکھنا چاہیے: این کار دولتست کنون تا کرا رسد)؛ حصوصا (ص ۲۲۰، درست: خصوصاً)؛ تواضح (ص ۲۲۰، درست: تواضع)؛ پش این جماعت می آورد (ص ۲۶۸، درست: پیش این جماعت می آورد)

- اشاریۂ اشخاص، ص ۳۸۲ پر عبد الحق محدث دہلوی کا نام چار طرح الگ الگ درج ہوا ہے، اسے ایک نام کے تحت درج ہونا چاہیے تھا۔ اسی صفحے پر عبد الکبیر یمنی اور عبد الکریم جیلی کا نام غلطی سے دو دو بار درج ہو گیا ہے۔ اشاریہ گروہ ہا (ص ۳۸۶) میں باطنیہ فرقہ کا اندراج نہیں ہوا۔ متن ص ۱۳۸ پر باطنیہ کا ذکر ہوا ہے۔
- ہر کتاب کے صفحات کی ترتیب و توالی کا اصول یہ ہے کہ طاق (odd) صفحہ سامنے اور جفت (even) صفحہ پیچھے ہوتا ہے۔ زاد المتقین کے کاپی پیسٹر سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہے کہ کتاب کی کسی فصل کے اختتام پر کمپوزر نے جو صفحہ خالی رکھا تھا لیکن اس پر ورق شمار تھا، کاپی پیسٹر نے ایسے تمام صفحات نکال باہر کیے ہیں۔ اس طرح طاق اور جفت کی ترتیب الٹ ہو گئی ہے۔ یہ مسئلہ حسب ذیل صفحات کے درمیان ہے: صفحہ ۳۲ تا ۶۹؛ صفحہ ۸۱ تا ۱۴۷، صفحہ ۱۵۹ تا ۱۹۱؛ صفحہ ۲۷۵ تا ۲۷۳؛ صفحہ ۴۰۱ تا ۴۱۱

آخر میں راقم السطور تحدیث نعمت کے طور پر چند باتیں عرض کرتا ہے۔ مجھے زاد المتقین کی مرکزی شخصیات شیخ علی متقی اور شیخ عبد الوہاب متقی سے قدیم سے دل چسپی رہی ہے۔ چنانچہ راقم نے اب تک شیخ علی متقی کے دو رسالے مرتّب کر کے شائع کیے ہیں۔ پہلا، التجریب الوافی فی الحبر الصافی (فارسی) جو ایک ایرانی رسالے نامۂ بہارستان، تہران، سال ۵، شمارۂ ۱ و ۲، دفتر ۹-۱۰، بہار و زمستان ۱۳۸۳ش / ۲۰۰۵-۲۰۰۴ء، ص ۲۱-۲۶ میں شائع ہوا۔ پھر میرے فارسی مجموعے مقالات عارف، دفتر سوم، تہران ۲۰۲۰ء، ص ۱۳۱-۱۴۲ میں شامل ہوا۔ شیخ علی متقی کا ذریعۂ معاش کتابت تھا، اس لیے وہ لوازم کتابت سے خوب واقف تھے۔ لوازم کتابت میں سے ایک روشنائی یا سیاہی ہے۔ یہ رسالہ سیاہی سازی پر ہے۔ شیخ نے اس میں اچھی سیاہی بنانے کی ترکیبیں بتائی ہیں۔ دوسرا رسالہ نعم المعیار

والمقیاس فی معرفۃ مراتب الناس (عربی) ہے۔ یہ پہلے استنبول سے شائع ہونے والے مجلے *Tasavvuf*، سال ۱۶، شمارہ ۳۵، ۲۰۱۵ء، ص ۳۰۳-۳۱۰ میں چھپا اور بعد میں میرے فارسی مجموعے مقالات عارف، دفتر سوم، ص ۱۴۳-۱۵۰ میں شامل ہوا۔ ابھی زاد المتقین شائع نہیں ہوئی تھی تو میں نے اس کے ایک قلمی نسخے (نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی، نمبر (N.M.1966-135) کا مطالعہ کیا تھا۔ مطالعے کے دوران دونوں متقی بزرگوں کی کتاب شناسی، کتاب دوستی اور کتاب نویسی کے جو جو واقعات سامنے آئے انھیں لکھ لیا اور ایک فارسی مضمون "واقعات و نکتہ ہایی چند در باب کتاب شناسی، کتاب دوستی و کتاب نویسی دو عالم ربّانی شبہ قارہ از کتاب زاد المتقین" لکھ کر اپنی علمی یادداشتوں پر مشتمل فارسی کتاب سیہ بر سفید، تہران، ۲۰۱۱ء، ص ۲۴۵-۲۵۵ میں شائع کیا۔

فہرست مراجع:

عارف نوشاہی، **کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ**، تہران، مرکز پژوہشی میراث مکتوب، ۲۰۱۲ء

عارف نوشاہی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزہ ملی پاکستان کراچی**، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۸۳ء

عبدالحق محدّث دہلوی، **تالیف قلب الالیف بکتابۃ فہرست التوالیف**، مشمولہ **نوادرات علمیہ** (حصہ دوم) بمقدمات و توضیحات محمد اقبال مجدّدی، لاہور، پروگریسو بکس، ۲۰۲۱ء

ایضاً، **جذب القلوب الی دیار المحبوب** بہ تصحیح مولوی محمد محسن، (کلکتہ) مطبع قدوسی، ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶-۱۸۵۷ء،

ایضاً، **زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین** با مقدمہ و تصحیح و تعلیقات محمد نذیر رانجھا، کُندیاں، خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، ۲۰۲۳ء

ایضاً، **زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین**، قلمی نسخہ، رضا رامپور لائبریری، نمبر ۵۹۵۴م

ایضاً، **الفتوحات المکیۃ والفیوضات المدنیۃ**، با مقدمہ و فہارس عارف نوشاہی، لاہور، ورلڈ ویو پبلشرز، ۲۰۲۲ء

محمد نذیر رانجھا، متاع قلیل، کُندیاں، خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجدّدیہ، ۲۰۱۸ء

محمد عبدالحلیم چشتی (مترجم)، **زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین**، کراچی، الرحیم اکیڈمی، ۱۹۹۸ء

مسعود انور علوی (مترجم)، **زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین**، کاکوری / علی گڑھ، ۲۰۰۹ء

بسم الله الرحمن الرحیم

هداه الله طریق الحق
وبحر علوم الدین

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید
المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد واله وصحبه اجمعین
ای خدای آفریدگار ای راه نماینده گمراهان ای مونس
غریبان ای بمقصد رساننده طالبان ای ذیب رور
شکسته نواز ای نیاز دوست نخوت گداز ای اسقاط مرحمت
بخش کرامت نثار ای بی نیاز کننده با تو نیازمندان
ای همه را کم کرده ترا طلبان ای کریم ذی الافضال ای
زبان وقت از شکر آلای تو لال نور شناسی در دل
ریز و سرمهٔ آشنایی در چشم کش تا ترا آشناسیم و با تو آشنا شویم
و ترا دوست داریم و آنانرا که ترا دوست دارند

تصویر ۱: زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین، نسخہ رضا رام پور (نمبر ۵۹۵۴م) کا پہلا صفحہ

بر اخبار ایشان اعتماد است زود باشند و استعداد برین
کنند باز در عرفات فرمودند که هرچه از ادعیه و آداب
و احکام روز عرفه است هم از نور بکنند فردا هم موافقت مسلمانان
خواهید کرد اما او رو را از دست ندهید عرض کرده شد که ملازمان
از باطن شریف هم مصداق این خبر سبحان خدا این خبری می
یابند فرمودند انجا میباید که ایشان خبر داده اند والله اعلم
ختم سخن در ذکر حج و عرفات آمد و من دریعی بشارت و تفاول
برگرفتم که ختم کار من بحضور و تشرف بان مقامات شریفه کرد
بمنه و کرمه اللهم ارزقنا العود ثم العود ثم العود وارزقنی شهادة
فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک وصلی الله علیه وسلم واله
واصحابه وازواجه وذریته وحزبه اجمعین ۱۱۱۱ تم

تصویر ۲: زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین، نسخہ رضا رام پور (نمبر ۵۹۵۴م) آخری صفحہ،
شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی یادداشتِ مقابلہ اور احمد کی یادداشتِ وصول نسخہ از مصنف

تصویر ۳: زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین، نسخہ رضا رام پور (نمبر ۵۹۵۴م) ظہر نسخہ

معمر بن راشد البصریؒ
اوران کی کتاب المغازی

کلیم صفات اصلاحی، رفیق دارالمصنّفین
kaleemsefatislahi@gmail.com

امام معمر بن راشدؒ کا شمار قدیم محدثین میں ہوتا ہے۔ وہ بصرہ کے مشہو عالم تھے۔ علوم حدیث وشریعت اور تفسیر قرآن میں ان کو درک حاصل تھا۔ معمر نے "الجامع" کے نام سے حدیث اور "کتاب المغازی" کے نام سے سیرت کے موضوع پر جو کتاب لکھی تھی وہ ان کے تلمیذ رشید ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶ھ -۲۱۱ھ) کی روایت سے ان کی مشہور تصنیف "المصنّف" کا حصہ ہیں۔ المصنف کی آخری دو جلدوں کے متعلق کہاجاتاہے کہ یہی معمر کی "الجامع" ہے۔ "کتاب المغازی" بھی، جس کا تعارف زیر نظر مقالہ میں مقصود ہے، پانچویں جلد میں کتاب المغازی کے تحت صفحہ ۲۱۱ سے ۴۹۳ پر موجود ہے۔ اہل علم کو معمر کی ان دونوں تصنیفات کا علم غالباً "المصنّف" کی اشاعت کے بعد ہوا۔ اس وجہ سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ "المصنّف" کی وجہ سے جو شہرت ان کے شاگرد کو حاصل ہوئی وہ ان کے استاذ کے حصے میں نہیں آئی۔ اکیس ہزار تینتیس حدیثوں پر مشتمل اس ضخیم مجموعۂ احادیث کو صاحب حجۃ اللہ البالغہ نے کتب احادیث کے تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے[1]۔ اس کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں۔ اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی نے گیارہ جلدوں میں سب سے پہلے اس کی تحقیق و تخریج کی۔ مولانا اعظمی کے اس عظیم الشان کارنامے سے جہاں ایک طرف علم حدیث کے ذخیرے میں گراں قدر اضافہ ہوا وہیں عبدالرزاق کے ساتھ معمر کے نام کو بھی مزید شہرت نصیب ہوئی۔

معمر کی کتاب المغازی کا شمار سیرت کے قدیم ابتدائی مصادر میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب المصنّف کے ایک جزء میں شامل ہے۔ اس جزء کی تحقیق بھی اس سے قبل کی جاچکی ہے۔ سطور ذیل میں معمر اوران

---

[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، داراحیاء العلوم، بیروت، طبع دوم ۱۹۹۲ء ج ۱ ص ۳۸۹۔

کی الگ سے شائع شدہ اسی کتاب المغازی کا مجملاً تعارف مقصود ہے۔

پیش نظر نسخے کا تعارف: مئی ۲۰۱۴ء میں معمر کی کتاب المغازی کا محقق دولسانی عربی-انگریزی ایڈیشن ۴۲۴ صفحات میں مکتبہ عربیہ جامعہ نیویارک ابوظبی سے شائع ہوا۔ تحقیق مستشرق سیان ڈبلیو-انتھونی (Sean W. Anthony) نے کی ہے۔ مفصل نسخہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس کے سلسلے میں جو معلومات انٹرنٹ پر دستیاب ہیں، اس کے مطابق مقدمے میں محقق نے معمر بن راشد کی مفصل سوانح تحریر کی ہے۔ عربی متن اور اس کا انگریزی ترجمہ آمنے سامنے ہے۔ ساتھ ہی اس میں فہرست، کتابیات اور اشاریے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ ایم، اے، ایس عبد الحلیم نے پیش لفظ لکھا ہے۔ اس کا ایک نسخہ [۲] جو صرف کتاب المغازی کے عربی متن اور مختصر حواشی پر مشتمل ہے راقم سطور کو حاصل ہوا ہے۔ اس میں کل ۱۴۵ صفحات ہیں۔ شروع میں لکھا گیا ہے کہ اس کے مکمل محقق نسخے کو مکتبہ عربیہ جامعہ نیویارک ابوظبی سے حاصل کیا جاسکتا ہے [۳]۔

پیش نظر نسخے میں پہلے مکتبہ عربیہ کا تعارف کرایا گیا ہے۔ مختلف علوم وفنون ادب، تاریخ، اخبار، حکایت، داستان، فقہ واصول فقہ، فلسفہ، علوم طبعیہ وغیرہ سے متعلق عربی اور اسلامی ورثہ کی عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں اشاعت ادارہ کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد بتایا گیا ہے۔ ادارے نے جو عربی متون شائع کیے ہیں اس میں سے بعض کا تعلق ما قبل اسلام کے متون سے بھی ہے۔ ادارتی بورڈ کے اراکین میں نیویارک یونیورسٹی کے فیلیپ کینڈی، کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان کے استاذ جیمز مانٹگمری، کورنیل یونیورسٹی میں شعبہ دراسات عربیہ واسلامیہ میں اسسٹنٹ پروفیسر شوکت محمود تراوا وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

امام زہری کی طرف کتاب المغازی کی نسبت: کتاب المغازی کے عربی متن کے اثبات کے سلسلے میں انتھونی کا بیان ہے کہ معمر بن راشد کی کتاب المغازی عبد الرزاق کی ایک ہی روایت سے ہم تک پہنچی ہے جس کو انہوں نے اپنی مشہور کتاب المصنّف کے ایک جزء میں جمع کیا

---

[۲] یہ نسخہ ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی نے راقم کو فراہم کیا تھا۔ اس کا پرنٹ آؤٹ نکلوا کر اس کا مطالعہ کیا گیا تاکہ قارئین معارف کی خدمت میں امام معمر اور اس نسخے کا مجملاً تعارف پیش کر دیا جائے (مقالہ نگار)۔

[۳] مذکورہ معلومات کے لیے دیکھیں: www.libraryofarabicliterature.org

ہے۔ یہ نسخہ اصل میں مکتبہ مراد ملا کے نسخے کی نقل ہے جو آج ترکی کے شہر استنبول میں واقع مکتبہ سلیمانیہ کے شعبہ مخطوطات کے تحت محفوظ ہے۔ میں نے کتاب کے متن کی نئے سرے سے تحقیق میں اسی منفرد نسخہ پر اعتماد کیا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ میں نے ان دو علما کی کاوشوں سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے جنہوں نے مجھ سے پہلے اس کے عربی متن کی تحقیق کی تھی۔ ان میں ایک مولانا حبیب الرحمن اعظمی ہیں جنہوں نے مصنف عبد الرزاق کو پہلی مرتبہ ایڈٹ کر کے مکتبہ اسلامی، کراچی سے ۱۹۷۲ء میں شائع کیا اور دوسرے ڈاکٹر سہیل زکار جنہوں نے مصنف کے اسی جزء کی خاص طور پر تحقیق کی ہے جس میں کتاب المغازی ہے۔ دارالفکر بیروت سے ۱۹۸۱ء میں یہ جزء شائع ہو چکا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تحقیق میں اس کتاب کو ابن شہاب زہری کی جانب منسوب کیا ہے۔ ابن شہاب زہری معمر کے استاذ تھے اور معمر بن راشد نے کتاب المغازی کی بیشتر روایات انہیں سے سماعت کی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کتاب المغازی ان کی تصنیف ہے۔ میں نے ان تمام باتوں کی وضاحت اور بہت سے مفید مباحث کی تفصیلات اپنے انگریزی ترجمے کے مقدمے میں فراہم کی ہے جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ کتاب المغازی معمر کی ہی تصنیف ہے۔ اس کے بعد تحقیق کے دوران حواشی میں جو رموز و علامات استعمال کی گئی ہیں اس کی توضیحات ہیں۔[۴]

محقق انتھونی اس وقت اوہایو اسٹیٹ یونیورسٹی کے شعبۂ لسانیات و تہذیب میں ایسو سی ایٹ پروفیسر ہیں۔ اس سے قبل ان کی درج ذیل کتابیں: کتاب الخلیفۃ والزندیق: ابن سبا و اصول التشیع والصلب ومشہد الموت: الصلب الاموی فی سیاق اواخر العصور القدیمہ وغیرہ جن میں زیادہ تر اسلامی و تاریخی موضوعات سے بحث کی گئی ہے منظر عام پر آچکی ہیں۔

ذیل میں پہلے امام معمر، اس کے بعد کتاب المغازی کے مشتملات کا تعارف مقصود ہے[۵]۔

نام اور کنیت: معمر نام، ابو عروہ کنیت، والد کا نام راشد اور ان کی کنیت ابو عمرو تھی[۶]۔

ولادت، وطن، تعلیم: ابو عروہ معمر بن راشد بصرہ میں ۹۵ یا ۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ حسن بصری کے

---

[۴] تفصیلات کے لیے دیکھیں: کتاب المغازی، المکتبۃ العربیۃ وکلمۃ اثبات النص العربی ص ۳۔۵۔

[۵] مذکورہ معلومات کے لیے دیکھیں: www.libraryofarabicliterature.org

[۶] شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء، دارالحدیث القاہرہ ۲۰۰۶ء ج ۶ ص ۷۱۔۴۔

جنازے میں حاضر تھے۔ انھوں نے چودہ برس کی عمر میں حصول علم کی ابتدا کی۔ ذہبی نے معمر سے مروی روایت نقل کی ہے کہ ”میں بچوں کے ساتھ ان کے پاس گیا تھا۔ جس سال حسن کی وفات ہوئی اسی سال میں نے حصول علم کا آغاز کیا۔ چودہ برس کی عمر میں قتادہ سے روایت لی اور امام زہری سے میری ملاقات رصافہ میں ہوئی“(۷)۔

اصل میں یہ فارسی غلام تھے۔ کلاباذی کے مطابق ان کے مالک کا نام عبد السلام تھا۔(۸) تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے اور قبیلہ ازد کا سامان فروخت کرنے کے لیے مستقل سفر میں رہتے تھے۔ علامہ ذہبی نے عبد الواحد بن زیاد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ابن شہاب زہری سے کیوں کر سماعت کی؟ تو انہوں نے کہا کہ میں طاحیہ کے لوگوں کی ملکیت میں تھا۔ انہوں نے مجھ کو کپڑے کا ایک تھان بیچنے کے لیے بھیجا۔ میں شہر آیا تو ایک شیخ کو دیکھا کہ لوگ ان کے پاس حصول علم کے لیے جارہے ہیں۔ میں نے بھی لوگوں کے ساتھ ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرلیا“(۹)۔

بصرہ سے نکلنا، صنعاء میں نکاح اور مستقل قیام: امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ تیس برس کی عمر میں وہ بصرہ سے نکل گئے تھے۔ جب معمر صنعاء آئے تو وہاں کے لوگوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ ان کے پاس سے جائیں۔ چنانچہ اہل صنعاء نے وہیں ان کی شادی کرادی جس کے بعد انھوں نے صنعاء میں مستقل سکونت اختیار کرلی(۱۰)۔ انھوں نے امام زہری سے بہت سی روایتیں لیں اور یمن میں ہی میں رہ کر تدریس وافتا کے فرائض بھی انجام دینے لگے(۱۱)۔

شیوخ و تلامذہ: معمر نے جن شیوخ سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں: قتادہ، زہری، عمرو بن دینار، ہمام بن منبہ، ابو اسحاق سبیعی، محمد بن زیاد القرشی، عمار بن ابی عمار المکی، عبد اللہ بن ابی طاؤس،

---

(۷) شمس الدین ذہبی، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۸ء ج ۶ ص ۴۸۰۔۴۸۱۔

(۸) احمد بن محمد بن الحسین ابو نصر الکلاباذی، الہدایہ والارشاد فی معرفۃ اہل الثقۃ والسداد، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۷ھ ج ۲ ص ۷۲۲۔

(۹) شمس الدین ذہبی، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ج ۶ ص ۴۸۰۔۴۸۱۔ یہی روایت تذکرۃ الحفاظ میں بھی ہے لیکن اس میں فارسلونی ببز ابیعہ کی جگہ فبعثونی ہے دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، بدون سنہ، ج ۱ ص ۱۷۱۔

(۱۰) ابو الحسن احمد بن عبد اللہ بن صالح عجلی، معرفۃ الثقات، مکتبۃ الدار، مدینہ منورہ، ۱۹۸۵ء، ج ۲، ص ۲۹۰۔

(۱۱) عمار عبودی محمد حسین نصار، تطور کتابۃ السیرۃ النبویۃ، طبع دار الثقافۃ العامۃ، بغداد، طبع اول ۱۴۱۸ھ، ج ۱، ص ۷۹۔

مطر الوراق، عبد اللہ اخی الزھری، جعد بن ابی عثمان، سماک بن فضل، اسماعیل بن امیہ، عبد الکریم الجزری، عاصم الاحول، ثابت البنانی، عاصم بن ابی النجود، یحیٰ بن ابی کثیر، منصور بن المعتمر، سلیمان بن الاعمش، زید بن اسلم، ایوب سختیانی، زیاد بن علاقہ، محمد بن المنکدر وغیرہ (۱۲)۔ ان کے علاوہ ان کے اساتذہ میں صالح بن کیسان، جعفر بن برقان، حکم بن ابان، اشعث بن عبد اللہ الحدانی، ثمامہ بن عبد اللہ بن انس، بھز بن حکیم، عبد اللہ بن عثمان بن خثیم، عبد اللہ بن عمر العمری، ہشام بن عروہ، عطا خراسانی وغیرہ کے نام ملتے ہیں (۱۳)۔

ان علما میں ان کے بعض شیوخ بھی شامل ہیں جنہوں نے ان سے روایتیں لی ہیں مثلاً یحی بن کثیر، ابواسحاق، ایوب، عمرو بن دینار وغیرہ۔ ان کے علاوہ سعید بن ابی عروہ، ابان العطار، ابن جریج، عمران القطان، ہشام الدستوائی، سلام بن ابی مطیع، شعبہ، ثوری وغیرہ ان کے ہم عصروں میں ہیں لیکن ان سے روایت کی ہے۔ جن علما نے معمر سے کسب فیض کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں: ابن عیینہ، ابن المبارک، عبد الاعلیٰ بن عبد الاعلیٰ، عیسیٰ بن یونس، معتمر بن سلیمان، یزید بن زریع، عبد المجید بن ابی زواد، عبد الواحد بن زیاد، ابن عُلیّہ، ابوسفیان معمری، محمد بن جعفر غندر، عبد الرزاق، ہشام بن یوسف، محمد بن ثور، عبد اللہ بن معاذ، محمد بن کثیر وغیرہ کا شمار ان کے تلامذہ میں ہوتا ہے (۱۴)۔

تصانیف: معمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے یمن میں سب سے پہلے تصنیف کی (۱۵)۔ ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے (۱۶)۔ فؤاد سزگین نے لکھا ہے کہ اس میں انبیائے سابقین کے حالات بھی مذکور ہیں۔ تاریخ الطبری میں اس کے اقتباسات ہیں (۱۷)۔ لیکن ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے اس میں انبیاء کے حالات نہیں ہیں جیسا کہ آئندہ سطور میں اس کے تفصیلی عناوین سے بات واضح ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ تاریخ علوم اسلامیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام معمر نے قرآن پاک کی تفسیر بھی

---

(۱۲) سیر اعلام النبلاء، ج ۶ ص ۱ ۷ ۴۔ ۲ ۷ ۴۔

(۱۳) دیکھیے: احمد بن علی بن حجر عسقلانی، تھذیب التھذیب، دار الحدیث، القاہرہ، ۲۰۱۰ء، ج ۶ ص ۱۳۶-۱۳۵۔

(۱۴) تھذیب التھذیب، ج ۶ ص ۱۳۶۔

(۱۵) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۷۲۔

(۱۶) ابوالفرج محمد بن اسحاق معروف بہ ابن ندیم، کتاب الفہرست، مطبعہ رحمانیہ مصر، بدون سنہ، ص ۱۳۸۔

(۱۷) فؤاد محمد سزگین، تاریخ علوم اسلامیہ (مترجم شیخ نذیر حسین) ایچ ائی پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ج ۲، ص ۷۰۔

لکھی تھی جس کی تہذیب امام عبد الرزاق نے کی تھی۔ اس کا جزو اول ہم تک پہنچا ہے[۱۸]۔ کتانی نے لکھا ہے کہ انہوں نے سنن پر ایک جامع کتاب تیار کی تھی لیکن سنن کا یہ مجموعہ بھی اب تک کہیں نظر نہ آیا۔

اہل علم کا اعتراف: سطور بالا سے معلوم ہوا کہ معمر معتبر محدثین میں شامل ہیں۔ یہاں ان کے متعلق علما کے جو اقوال تذکرہ کی کتابوں میں موجود ہیں ان کا نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ابن حبان نے ان کو فقیہ، معتبر، حافظ اور متقی کہا ہے[۱۹]۔ عجلی کہتے ہیں کہ معمر مستند اور مرد صالح تھے۔ ان کا شمار صاحب فہم لوگوں میں ہوتا تھا[۲۰]۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ تم معمر کے ساتھ جب کسی کو کھڑا کرو گے تو تم انہیں کو اس مقام پر پاؤ گے کہ معمر طلب علم میں اس کے آگے ہی ہیں۔ وہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ علم کے حریص تھے[۲۱]۔

عباس دوری نے یحیٰ بن معین کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ زھری کے سلسلے میں مالک بن انس، معمر، یونس، عقیل، شعیب بن ابی حمزہ اور ابن عیینہ سب سے زیادہ معتبر تھے[۲۲]۔ ابو بکر بن خیثمہ یحی بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ معمر اور یونس دونوں زہری کی روایات کے عالم ہیں۔ زہری کے سلسلہ میں ابن عیینہ سے زیادہ معمر معتبر ہیں[۲۳]۔ ذہبی نے معمر کو امام حجہ[۲۴]، حافظ اور شیخ الاسلام[۲۵] کہا ہے اور ذہبی نے ہی ان کے متعلق ایک ثقہ عالم کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ معمر نے جو بہت سی مستند روایتیں بیان کی ہیں ان میں سے بعض مشہور اوہام ہیں جن پر ان کی گرفت کی گئی ہے[۲۶]۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ "معمر کے متعلق احتیاط برتا کرو، اس لیے کہ

---

[۱۸] ماخذ سابق، ص ۷۰۔

[۱۹] محمد بن حبان دارمی، الثقات، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۹۷۳ء، ج ۷، ص ۴۸۴۔

[۲۰] ابو الحسن احمد بن عبد اللہ عجلی کوفی، معرفۃ الثقات، ناشر مکتبۃ الدار، مدینہ منورہ، ۱۹۸۵ء، ج ۲، ص ۲۹۰۔

[۲۱] یوسف بن عبد الرحمن مزی، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۰ء، ج ۲۸، ص ۳۰۳۔

[۲۲] تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج ۲۸، ص ۳۰۳۔

[۲۳] مٲخذ سابق۔

[۲۴] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۷۱۔

[۲۵] سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۱۷۴۔

[۲۶] شمس الدین ذہبی، میزان الاعتدال، ج ۶، ص ۴۸۰۔

ان کے زمانے میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا"[۲۷]۔ ابو حاتم رازی نے معمر کے متعلق لکھا ہے کہ "جن چھ اشخاص پر علم الاسناد ختم ہوتا ہے معمر نے ان کا زمانہ پایا تھا اور ان سے کسب فیض بھی کیا تھا۔ ان میں حجاز سے زہری اور عمرو بن دینار، کوفہ سے ابو اسحاق اور اعمش، بصرہ سے قتادہ اور یمامہ سے یحیی بن کثیر تھے"۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا شمار ثقہ علماء میں تھا"[۲۸]۔ ذہبی نے علی بن مدینی سے مروی اسی قسم کا قول لکھا ہے کہ علم الاسناد سے متعلق جو بات معمر میں جمع ہوئی تھی وہ ان کے معاصر ساتھیوں میں کسی میں جمع نہیں ہوئی۔ فلاس کہتے ہیں "معمر لوگوں میں سب سے سچے تھے"۔[۲۹] اسی کتاب میں امام نسائی کا یہ قول بھی ہے کہ "معمر ثقہ اور مامون تھے"[۳۰] زرکلی لکھتے ہیں: "معمر فقیہ، حدیث کے حافظ، حد درجہ محتاط اور معتبر تھے"[۳۱]۔

زہد وورع اور مال سے بے رغبتی: ان کا شمار زاہدوں میں ہوتا ہے۔ معمر کی اہلیہ حلیمہ سے روایت ہے کہ معن بن زایدہ نے، جو معمر کے برادر نسبتی ہیں، پانچ سو دینار کسی معاملے میں ان سے نرمی اور مہربانی حاصل کرنے کے لیے بھیجا تو انہوں نے لوٹا دیا اور کہا کہ "ہم اس مال سے مستغنی ہیں"[۳۲]۔ ذہبی نے اس واقعے کی مزید تفصیل میں لکھا ہے کہ معن والیِ یمن نے ان کے پاس کچھ سونا بھیجا تو انہوں نے اس کو واپس کر دیا اور اہلیہ سے کہا کہ ہمارے علاوہ اگر کسی کو اس کا علم ہوا تو میرا اور تمہارا سر کبھی بھی اکٹھا نہیں ہوگا (یعنی ہم الگ ہو جائیں گے)۔ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ ہم نے ثوری اور معمر بن راشد کے علاوہ کسی کو بھی مال سے بے نیاز نہیں دیکھا۔ یحی بن معین جو معمر کے بہنوئی بھی تھے کہتے ہیں کہ "ان کی بیوی کی بہن (سالی) نے معمر کی اہلیہ کے پاس شفتالو (آڑو) بھیجا تو معمر نے نہ

---

[۲۷] تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص ۱۷۲۔

[۲۸] ابو محمد عبد الرحمن بن محمد الرازی ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۵۲ء، ج۸، ص ۲۵۶۔

[۲۹] ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی، التکمیل فی الجرح والتعدیل، مرکز النعمان للبحوث والدراسات الاسلامیۃ وتحقیق التراث والترجمہ، یمن، ۲۰۱۱ء، ج۱، ص ۱۱۴۔

[۳۰] مأخذ سابق۔

[۳۱] خیر الدین زرکلی، الاعلام، طبعۃ دار العلم للملایین، ۱۵واں ایڈیشن، ۲۰۰۲ء، ج۷، ص ۲۷۲۔

[۳۲] مغلطائی بن قلیج البکجری، اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ناشر دار الفاروق الحدیثہ، ۲۰۰۲ء، ج۱۱، ص ۲۷۵۔

جاننے میں اس کو کھالیا۔ جب پتہ چلا تو قے کردی"[۳۳]۔

علمی مقام و مرتبہ: روایتوں میں آتا ہے کہ معمر کی حدیثوں کے سب سے بڑے حافظ اور سب سے زیادہ مستند راوی عبدالرزاق تھے۔ یحی بن معین فرماتے ہیں کہ معمر کی حدیثوں کے لیے عبدالرزاق سے زیادہ بہتر اور معتبر کوئی نہیں[۳۴]۔ ذہبی نے عبدالرزاق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے معمر سے دس ہزار حدیثیں روایت کی ہیں"[۳۵]۔ اس سے حدیث و سیرت پر معمر کی وسعت نظر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عبدالرزاق کی المصنّف میں سب سے زیادہ روایتیں معمر ہی سے مروی ہیں۔

معمر کے مقام کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ عثمان دارمی کہتے ہیں کہ میں نے یحیٰ بن معین سے پوچھا کہ آپ کو ابن عیینہ محبوب ہیں یا معمر تو انھوں نے کہا: معمر۔ پھر میں نے صالح بن کیسان اور یونس کے باب میں یہی پوچھا تو ان کا جواب وہی تھا، تو پھر میں نے معمر، زہری اور مالک تینوں کے بارے میں پوچھا تو ان کا جواب تھا: مالک[۳۶]۔

وفات: معمر بیس برس سے زیادہ یمن میں رہے۔ احمد بن محمد کلابازی اور شمس الدین ذہبی نے ان کی وفات کے متعلق مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ احمد بن حنبل کا قول ہے کہ معمر ۵۸ برس بہ قید حیات رہے۔ ابراہیم بن خالد کہتے ہیں کہ معمر کا انتقال رمضان ۱۵۳ھ میں ہوا۔ میں نے ان کی نماز جنازہ ادا کی ہے۔ ذہلی کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرزاق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرا غالب گمان ہے کہ معمر کا انتقال ۵۸ برس کی عمر میں ہوا۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ معمر نے ۱۵۴ھ میں وفات پائی۔ عمرو بن علی، خلیفہ بن خیاط اور ابو عیسیٰ بھی ۱۵۳ھ مانتے ہیں۔ ابن سعد نے واقدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کی وفات ۱۵۳ھ میں ہوئی۔ انہوں نے عبدالمنعم بن ادریس کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ ان کی وفات ۱۵۴ھ کے شروع میں ہوئی[۳۷]۔ ہمارے خیال میں امام احمد ابن حنبل کا قول زیادہ صحیح ہے۔ اس کی

---

[۳۳] سیر اعلام النبلاء، ج۶، ص ۴۷۵۔

[۳۴] تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص ۱۷۱۔

[۳۵] تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص ۱۷۱۔

[۳۶] شمس الدین ذہبی، تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، المکتبۃ التوفیقیۃ، قاہرہ، مصر، بدون سنہ، ج۹، ص ۴۰۹۔

[۳۷] دیکھئے: الہدایہ والارشاد فی معرفۃ اہل الثقۃ والسداد، ج۲، ص ۷۲۳؛ وتاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، ج۹، ص ۴۱۰۔

تایید معمر کے شاگرد عبد الرزاق کے بیان سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

کتاب کے مباحث و مشتملات: زیر نظر کتاب المغازی میں کل ۳۱ ابواب درج ذیل عناوین پر مشتمل ہیں:

۱. باب ما جاء فی حفر زمزم۔ ۲. غزوۃ الحدیبیۃ۔ ۳. وقعۃ بدر۔ ۴. من اسر النبیؐ من اھل بدر۔ ۵. وقعۃ ھذیل بالرجیع۔ ۶. وقعۃ بنی النضیر۔ ۷. وقعۃ احد۔ ۸. وقعۃ الاحزاب و بنی قریظۃ۔ ۹. وقعۃ خیبر۔ ۱۰. غزوۃ الفتح۔ ۱۱. وقعۃ حنین۔ ۱۲. من ھاجر الی الحبشۃ۔ ۱۳. حدیث الثلاثۃ الذین خلفوا۔ ۱۴. من تخلف عن النبیؐ فی غزوۂ تبوک۔ ۱۵. حدیث الاوس والخزرج۔ ۱۶. حدیث الافک۔ ۱۷. حدیث اصحاب الاخدود۔ ۱۸. حدیث اصحاب الکھف۔ ۱۹. بنیان بیت المقدس۔ ۲۰. بدء مرض النبیؐ۔ ۲۱. بیعۃ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی سقیفۃ بنی ساعدہ۔ ۲۲. قول عمر فی اھل الشوریٰ۔ ۲۳. استخلاف ابی بکر عمر رحمھما اللہ۔ ۲۴. بیعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ ۲۵. غزوۃ ذات السلاسل و خبر علی و معاویہ۔ ۲۶. حدیث الحجاج بن علاط۔ ۲۷. خصومۃ علی والعباس۔ ۲۸. حدیث ابی لؤلؤۃ قاتل عمر رضی اللہ عنہ۔ ۲۹. حدیث الشوریٰ۔ ۳۰. غزوۃ القادسیۃ وغیرھا۔ ۳۱. تزویج فاطمۃ رحمۃ اللہ علیھا۔

المصنف[۳۸] میں شامل کتاب المغازی میں احادیث کے جو نمبر دیے گئے ہیں ان کے مطابق پہلے باب کی پہلی حدیث کا نمبر ۹۷۸۱ اور آخری یعنی ۳۱ویں باب کی آخری حدیث کا نمبر ۹۸۴۷ ہے۔ اس طرح المصنف میں شامل معمر کی کتاب المغازی کی کل احادیث کی تعداد ۶۶ ہے۔ زیر نظر مطبوعہ نسخے میں ہر باب کا ایک نمبر، اس کے تحت متعدد احادیث کے الگ نمبر پھر ان احادیث کے تحت جو متعدد ذیلی روایات نقل کی گئی ہیں اس کے نمبر الگ سے دیے گئے ہیں۔

معمر کا اسلوب اور کتاب المغازی کی انفرادیت: معمر نے کتاب المغازی میں مواد کی پیش کش کے لیے جو اسلوب اختیار کیا ہے اور اس اسلوب کی وجہ سے اس میں درج ذیل انفرادیت سامنے آتی ہے۔

---

[۳۸] ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی کی المصنّف کا جو جدید نسخہ ہمارے پیش نظر ہے اس کی پانچویں جلد کے آخر میں معمر کی کتاب المغازی شامل ہے۔ ایمن نصر الدین ازہری نے اس کی تحقیق کی ہے اور یہ دار الکتب العلمیہ، بیروت سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا ہے۔ آخر میں کتاب المغازی ہونے کی وجہ سے اس کے سرورق پر امام معمر بن راشد ازدی کا نام موجود ہے۔ جگہ جگہ عبارتوں کا تقابل اور مقارنہ بھی راقم نے سیان انتھونی کے محقق نسخے سے کیا تو دونوں میں بنیادی طور پر بہت فرق نظر نہیں آیا۔

معمر کے یہاں روایتوں کے نقل میں ایجاز کا پہلو حاوی ہے۔ وہ روایات میں غیر ضروری حصوں کو بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں حالانکہ بعض دفعہ اس ایجاز میں واقعے کی اہم بات ذکر سے رہ جاتی ہے۔ معمر کی بہت سی روایتوں کی تخریج بھی کی گئی ہے لیکن حواشی میں صرف رموز استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً بخ سے صحیح بخاری، بد سے بیہقی کی دلائل النبوۃ، بل سے بلاذری کی انساب الاشراف، تط سے طبری کی تاریخ الرسل، ح سے امام احمد کی مسند، مم سے مخطوطہ استنبول، تع سے عبد الرزاق کی تفسیر القرآن وغیرہ۔ ایک بات یہ بھی نظر آتی ہے کہ انہوں نے واقعات کے التقاط میں زمانی تقدیم و تاخیر کا لحاظ بھی کم رکھا ہے۔ مثال کے طور پر ہجرت حبشہ کا تعلق آپؐ کی مکی زندگی سے ہے لیکن اس باب کو غزوۂ حنین کے بعد لکھا گیا ہے۔ اصولاً اس کا ذکر غزوات سے پہلے ہونا چاہئے۔ حدیبیہ کا پہلے اور جنگ بدر کا بعد میں، اسی طرح بنی نضیر کا پہلے اور احد کا بعد میں تذکرہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ کتاب المغازی میں جو روایتیں معمر نے بیان کی ہیں ان میں بعض باتیں ایسی ملیں گی جو دوسرے سیرت نگاروں کے یہاں موجود نہیں ہیں۔ اس کا یہ پہلو اس کی انفرادیت کی نشان دہی کرتا ہے۔ مثلاً اکثر سیرت نگار کعبہ کی تعمیر نو کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپؐ کی حضرت خدیجہ سے شادی ہو چکی تھی اور اس وقت آپؐ کی عمر تقریباً ۳۵ برس ہو چکی تھی لیکن معمر نے لکھا ہے جب آپؐ سن بلوغ کو پہنچے تو کعبہ کو منہدم کر کے بنایا گیا[۳۹]۔

فلما بلغ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحلم--

وجہ انہدام کے متعلق لوگوں نے لکھا ہے کہ بارش اور سیلاب کے سبب عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا تو رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت کو ڈھا کر نئی عمارت تعمیر کی جائے۔ لیکن معمر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ ایک عورت کے بخور جلانے سے کسوۂ کعبہ کا خاکستر ہونا ہے جس کی تفصیل آگے کی سطروں میں آرہی ہے۔ یہ روایت بہت کم کہیں ملتی ہے۔ اس قسم کی اور بھی متعدد روایتیں ہیں جن سے عام روایتوں سے ہٹ کر معلومات ملتی ہیں۔

معمر نے کتاب المغازی کا آغاز آپؐ کے جد امجد حضرت عبد المطلب کے قصہ حفر زمزم سے کیا ہے اور اس کے تحت پہلے اصحاب فیل کے حملے کے وقت قریش کے مکہ سے نکل بھاگنے کا ذکر ہے۔ پھر یہ ہے کہ عبد المطلب اس وقت جوان رعنا تھے۔ انہوں نے کہا کہ بخدا میں حرم سے نہیں

---

[۳۹] کتاب المغازی، باب ماجاء فی حفر زمزم، ص ۱۳۔

نکلوں گا۔ وہ ڈٹے رہے یہاں تک کہ اصحاب فیل کو اللہ نے ہلاک کر دیا تو قریش واپس ہوئے اور عبد المطلب کے ڈٹ جانے کے سبب قریشیوں میں ان کا مقام اور بلند ہو گیا[۴۰]۔ پھر ان کے بڑے لڑکے حارث کی پیدائش، خواب میں حفر بئر زمزم کا حکم، اشارے کے مقام پر کھدائی، کھدائی کے وقت قریش کے اعتراض پر کہنا کہ اگر کسی نے روکنے کی کوشش کی تو میں اس سے لڑوں گا۔ پانی نکلنے پر حوض کی تعمیر، حسد کی وجہ سے کچھ قریشیوں کا حوض کو توڑنا اور عبد المطلب کا اس کو درست کرنا، پھر عبد المطلب کا شادی کرنا اور دس لڑکوں کا پیدا ہونا اور ان میں ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی نذر ماننا، حضرت عبد اللہ کے نام پر قرعہ نکلنا اور ان کی جگہ سو اونٹوں کی قربانی کا ذکر ہے۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ کی آمنہ سے شادی، شادی کے بعد عبد اللہ کو مدینہ بھیجنا، وہیں ان کی وفات، اس کے بعد آپؐ کی پیدائش، رضاعت، سوق عکاظ میں آپؐ کا جانا اور کاہنوں کا آپؐ کو قتل کرنے کے لیے لوگوں کو اکسانا، آمنہ کا انتقال، دادا کے زیر سایہ پرورش، دادا کی وفات کے بعد ابو طالب کے زیر کفالت ہونا، ابو طالب کا آپؐ کو شام لے جانا، وہاں کے پادری کی آپؐ کے متعلق ابو طالب سے تفصیلی گفتگو نقل کی ہے[۴۱]۔ اس کے بعد روایت میں ہے کہ جب آپؐ سن بلوغ کو پہنچے تو ایک عورت کے بخور جلانے سے کسوۂ کعبہ جل کر خاکستر ہو گیا تو قریش نے باہم اس کے انہدام کا مشورہ کیا لیکن انہدام کی جرأت نہیں کر پا رہے تھے تو ولید بن مغیرہ نے ان سے کہا کہ اس سے تمہارا مقصد اصلاح ہے یا فساد؟ تو انھوں نے کہا: اصلاح، تو ولید نے کہا: اللہ مصلح کو ہلاک نہیں کرے گا۔ تو لوگوں نے کہا: ڈھانے کے لیے اوپر کون چڑھے گا؟ ولید نے کہا: میں۔ پھر ولید پھاوڑا لے کر کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا اور کہا: اے اللہ ہمارا مقصد اصلاح و تعمیر ہے اور ڈھانا شروع کر دیا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی آفت نہیں آئی تو باقی لوگوں نے بھی ڈھانا شروع کر دیا۔ پھر جب تعمیر شروع ہوئی اور حجر اسود رکھنے

---

(۴۰) اس مشہور واقعہ کے وقت عبد المطلب کے "غلام شاب" یعنی جوان رعنا ہونے کی بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس لیے کہ سیرت نگاروں کا عام اتفاق ہے کہ اسی سال آپؐ کی پیدائش ہوئی۔ ظاہر ہے اس وقت آپؐ کے دادا تو ۱۸، ۲۰ سال کے جوان نہیں ہو سکتے۔ دوسرے بعض معتبر روایتوں میں آتا ہے کہ ابرہہ نے قریش کے سردار یعنی عبد المطلب کو بلایا اور انھوں نے اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا اور واپس چلے گئے۔ معمر کی اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ ۱۸۔ ۲۰ برس کی عمر میں عبد المطلب کا سردار ہونا محال نظر آتا ہے۔

(۴۱) دیکھیے: کتاب المغازی باب ماجاء فی حفر زمزم ص ۱۰ تا ۱۳۔

کے مقام تک پہنچے تو باہم جھگڑنے لگے کہ حجر اسود کو اس کے مقام پر کون رکھے گا؟۔ اس کے بعد آنحضورؐ کے متعلق وہی باتیں ہیں جو اس ضمن میں کتب سیرت میں ملتی ہیں۔ معمر نے اس باب کے تحت حضرت خدیجہؓ سے نکاح کی تفصیلات، آپؐ کی اولاد، آغاز وحی، حضرت خدیجہ کا آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا اور آپؐ کے بارے میں ان کا یہ کہنا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا۔ کاش میں اس وقت ہوتا جب آپؐ کو آپؐ کی قوم نکال دے گی۔ فترۂ وحی، آپؐ کی علانیہ وخفیہ دعوت وغیرہ کا مختصراً ذکر ہے۔ حضرت حسن وغیرہ سے مروی، قتادہ اور ابن عباس سے مروی، عثمان الجزری کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آپؐ پر سب سے پہلے حضرت علیؓ ایمان لائے جو اس وقت پندرہ یا سولہ برس کے تھے۔ پھر لکھا ہے کہ میں نے استاذ امام زہری سے اس بابت پوچھا تو انہوں نے کہا: میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو زیدؓ بن حارثہ سے پہلے ایمان لایا ہو(۴۲)۔ اس کے بعد اسی باب میں آگے کی روایت میں زہری کا یہ قول لکھا ہے کہ شروع میں آپؐ کی قوم کے اشراف میں حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے ہی اسلام قبول کیا تھا۔ شروع میں حضرت عمرؓ آپؐ اور مؤمنین کے سخت دشمن تھے۔ آپؐ نے دعا کی: اے اللہ! ابن خطاب سے اپنے دین کی تایید کر۔ پھر اسلام عمر کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد واقعۂ معراج اور حضرت ابو بکرؓ کی تصدیق کا ذکر ہے۔ گویا پورا باب آپؐ کی پیدائش سے نبوت تک کی زندگی کے متعلق مجملاً معلومات پر مشتمل ہے۔ اس سے معمر کی روایتوں میں ایجاز کے پہلو کی نشاندہی ہوتی ہے۔

اس کے بعد غزوات میں صلح حدیبیہ کا ذکر سب سے پہلے ہے اور بعض اصحاب سیر کی طرح معمر نے بھی اس کو "غزوہ حدیبیہ" لکھا ہے۔ اس کے بعد غزوۂ بدر اور اسیران بدر کا باب ہے۔ اسیران بدر میں صرف دو اشخاص کا ذکر ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ آپؐ اسیران بدر میں ہر قیدی کا فدیہ ۴ ہزار دینار مقرر کیا گیا۔ فدیہ سے قبل عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا گیا اور دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے قید میں چچا عباس کے کراہنے کی آواز سنی تو رات میں بے چین رہے اور جب رسی ڈھیلی کی گئی تو آپؐ کو سکون ہوا اور سو گئے(۴۳)۔ غزوات میں غزوۂ بنی نضیر، احد، احزاب، خیبر، فتح مکہ اور حنین کا ذکر سب

---

(۴۲) کتاب المغازی باب ماجاء فی حفر زمزم ص ۱۷۔

(۴۳) کتاب المغازی، باب وقعۃ بدر، ص ۳۷۔

سے بعد میں ہے۔البتہ اوطاس،طائف اور غزوۂ موتہ وغیرہ کے واقعات اس دوران نظر نہیں آئے۔اس کے بعد ہجرت حبشہ کا باب ہے جس کا ذکر زمانی لحاظ سے پہلے ہونا چاہئے تھا۔اس مفصل روایت کو امام زہری سے نقل کیا ہے۔جب مسلمانوں پر کفار قریش کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ دراز ہوا تو رسول اللہؐ نے مؤمنین سے کہا:زمین میں پھیل جاؤ۔ہم نے کہا:یارسول اللہ!کہاں یا کس طرف جائیں؟آپؐ نے اپنے ہاتھ سے حبشہ کی طرف اشارہ کیا۔تو کچھ لوگ اپنے اہل کے ساتھ اور کچھ تنہا نکل پڑے۔یہاں تک کہ سرزمین حبشہ پر قدم رکھا۔امام زہری کا بیان ہے کہ جعفر بن ابی طالب اپنی اہلیہ اسماء بنت عمیس،عثمان بن عفان رقیہ بنت رسولؐ،خالد بن سعید امیمہ بنت خلف،ابوسلمہ ام سلمہ بنت ابی امیہ بن المغیرۃ کے ساتھ اور ان کے ساتھ قریش کے بھی کچھ اشخاص اپنی بیویوں کے ساتھ نکلے۔خالد بن سعید کی بیٹی اَمَۃ(عمرو بن الزبیر اور خالد بن الزبیر کی ماں)کی پیدائش حبشہ میں ہوئی اور ان کے علاوہ حبشہ میں قریش کے لوگوں میں جو لڑکے پیدا ہوئے ان میں حارث بن حاطب کا نام لکھا ہے[۴۴]۔یہ تفصیلات بھی کتب سیرت میں کم ہی ملتی ہیں۔اس کے بعد حدیث الثلاثۃ الذین خلفوا کے تحت حضرت کعب بن مالک کی زبانی مفصل روایت اور من تخلف عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۂ تبوک کے تحت سعدؓ بن وقاص اور ابن کعب اور امام زہری سے مروی تین مختصر روایتیں ہیں۔اس طرح یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس ذیل میں غزوۂ تبوک کی وہ تفصیلات آگئی ہیں جن کا تعلق کعب بن مالک،مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ سے ہے۔اس کے بعد واقعۂ افک کا ذکر ہے جو غزوۂ بنی المصطلق ۵ ہجری کے دوران پیش آیا۔اس کا ذکر بھی پہلے ہونا چاہیے تھا۔اس ضمن میں جو مفصل روایت نقل کی گئی ہے وہ حضرت عائشہؓ کی زبانی ہے اور اس میں وہی تفصیلات ہیں جو سیرت کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔حدیث افک کے بعد گذشتہ قوموں کے واقعات یعنی اصحاب اخدود،اصحاب کہف کے متعلق زبان رسالت مآبؐ نے جو تفصیل فراہم کی ہے لکھے گئے ہیں[۴۵] اور غالباً اس کا مقصد مسلمانوں کے سامنے صبر وعزیمت کی مثال پیش کرنا ہے تاکہ صحابۂ کرام کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی جائے کہ گزشتہ قوموں نے بھی سخت آزمائشوں کے مراحل طے کیے ہیں جس کے نتیجے میں انہیں آخرت میں کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ایسا نہیں ہے کہ تعذیب

---

[۴۴] کتاب المغازی،باب من ھاجر الی الحبشۃ،ص ۶۳۔

[۴۵] کتاب المغازی،باب حدیث اصحاب الاخدود واصحاب الکھف،ص ۸۶ تا ۹۰۔

وایذا رسانی کا معاملہ تمہارے ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ ان واقعات سے انہیں حوصلہ ملے گا اور وہ اسلام کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں گے۔

انبیاء کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ بیت المقدس کی تعمیر کا ہے۔ معمر نے اس باب کو "بنیان بیت المقدس" سے معنون کیا ہے لیکن پہلے قرآن کی اس آیت "والقینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب" جس میں حضرت سلیمان کی جانب اشارہ ہے کہ جو تفسیر حضرت قتادہ سے سنی ایک جملے میں یہ لکھی ہے کہ قتادہ کہتے ہیں کہ سلیمان کے تخت پر ایک شیطان (جن) ۴۰/شب براجمان رہا۔ اس کے بعد اللہ نے ان کا اقتدار ان کو واپس لوٹایا۔ معمر کہتے ہیں کہ سلیمان کی بیوی پر شیطان مسلط نہیں ہوا[۴۶]۔ اس کے بعد تعمیر بیت المقدس اور جسد کی تفصیلات ہیں جن کے متعلق صحیح احادث میں وارد ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ایک رات اپنی تمام بیویوں سے اس مقصد سے ملاقات کا ارادہ کیا کہ ان سے جو لڑکے پیدا ہوں وہ اعلائے کلمۃ اللہ میں کام آئیں لیکن ان شاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے کوئی بیوی حاملہ نہیں ہوئی اور جو حاملہ ہوئی اس نے ناقص الخلقت بچہ جنا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر سلیمان ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب سے مجاہد پید ہوتے[۴۷]۔ لیکن معمر نے جو تفصیل فراہم کی ہے وہ اس تفصیل سے ہٹ کر ہے۔ ایک دن سلیمانؑ حمام میں گئے تو ان کے ساتھ شیطان بھی گیا اور اس نے سلیمانؑ کی انگوٹھی اڑا کر سمندر میں ڈال دی اور ان کے تخت پر ان ہی کی شکل میں براجمان ہو گیا اور چالیس دن ان کا اقتدار اسی کے ہاتھ میں رہا۔ آگے ہے کہ ایک دن ایک عورت کے یہاں سلیمان نے پناہ لی تو اس نے ان کے لیے مچھلی بنائی یا یہ کہ وہ عورت مچھلی لے آئی۔ اس کا پیٹ چاک کیا تو اس کے پیٹ میں اپنی انگوٹھی دیکھی تو اس کو اٹھالیا۔ جب اس کو پہنا تو چرند و پرند اور ہر چیز ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی اور اللہ نے ان کی سلطنت واپس کر دی[۴۸]۔ اس وقت یہ دعا مانگی: رب اغفر لی وھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی۔

---

[۴۶] آگے روایت میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ معمر اس کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے انہوں نے پہلے ہی اس کی تردید کر دی ہے۔

[۴۷] **محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الانبیاء**، باب قول اللہ عز وجل و وھبنا لداؤد وسلیمان الخ، **اصح المطابع، دیوبند**، بدون سنہ، ج ۱، ص ۴۸۶۔

[۴۸] **کتاب المغازی، باب بنیان بیت المقدس**، ص ۹۱، ۹۰۔

اس کے بعد "بدء مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے باب کے تحت متعدد احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں آپؐ کے مرض کی ابتداء کے متعلق ہے کہ سب سے پہلے دردسر کی شکایت حضرت میمونہؓ کے مکان میں ہوئی (۴۹)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے بیماری میں حضرت ابو بکرؓ کو امامت کا حکم دیا۔ یہ روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ انس بن مالک کی یہ روایت بھی لکھی ہے کہ دوشنبہ کے دن جب آپؐ نے اپنے کمرے کا پردہ ہٹایا تو دیکھا کہ ابو بکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں تو راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ کے چہرۂ مبارک کو دیکھا کہ آپؐ مسکرا رہے ہیں (۵۰)۔ اسی دن آپؐ کی وفات ہوئی۔ جب حضرت عمرؓ نے سنا تو کہا: آپؐ کی وفات نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ جس طرح موسیٰؑ اپنے رب کے پاس گئے تھے اور اپنی قوم سے چالیس روز تک دور رہے اسی طرح آپؐ بھی اپنے رب کے پاس گئے ہیں۔ بخدا مجھے پوری توقع ہے کہ آپؐ ضرور واپس آئیں گے اور ان منافقین کے ہاتھ اور ان کی زبانیں کاٹیں گے جو خیال کرتے ہیں یا یہ کہا کہ جو کہتے ہیں کہ آپؐ کی موت ہو چکی ہے (۵۱)۔ پھر وہ تمام تفصیلات ہیں جو سیرت کی اکثر کتابوں میں مل جائیں گی۔ ان روایتوں میں جس دن آپؐ کی وفات ہوئی یعنی دوشنبہ (۵۲) کا ذکر تو ہے لیکن سال کا تذکرہ نہیں۔ اس سلسلے کی ایک روایت میں زیر نظر نسخے میں قال :بل الرفیق الاعلیٰ ثلاث مرات "ثم فتر" ہے لیکن المصنف میں "ثم قبض" (۵۳) کا لفظ ہے۔ اسی طرح معمر نے وفات کے وقت آپؐ کی زبان سے جو آخری کلمات ادا ہوئے ان کے متعلق لکھا ہے: وسمعت قتادة یقول: آخر شئ تکلم بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اتقوا اللہ فی النساء وما "مکلت" (۵۴) ایمانکم جبکہ المصنّف میں صحیح لفظ "ملکت" (۵۵) لکھا ہے۔

---

(۴۹) بعض روایتوں میں ہے کہ آپؐ ۲۹/ صفر ۱۱ھ کو ایک جنازے میں بقیع میں گئے تھے۔ واپسی میں راستے ہی میں دردسر کی شکایت ہوئی۔ دیکھیے: محمد بن سعد، طبقات بن سعد، بریل لائیڈن ۱۹۰۴ء، جزء ۲، قسم ۲، ص ۲۴۔
(۵۰) کتاب المغازی، باب بدء مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۹۵-۹۶۔
(۵۱) ماخذ سابق، ص ۹۶۔
(۵۲) کتاب المغازی، باب بدء مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۹۶۔
(۵۳) المصنّف، کتاب المغازی، باب بدء مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۵، ص ۳۰۱
(۵۴) کتاب المغازی، باب بدء مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۹۸۔
(۵۵) المصنّف، کتاب المغازی، باب بدء مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۵، ص ۳۰۱ ("مکلت" لکھنا کتابت کی غلطی ہے)

اس کے بعد جو ابواب ہیں ان میں آخری باب "تزویج فاطمۃ رحمۃ اللہ علیہا" جس کا ذکر پہلے ہونا چاہئے تھا کو چھوڑ کر تمام واقعات کا تعلق براہ راست سیرت و حیات نبویؐ سے نہیں ہے۔ اس کے باوجود یہ تمام روایتیں امام معمر کی کتاب المغازی کا حصہ اور اس کے ضمن میں ہی لکھی گئی ہیں۔

سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے قطع نظر قول عمر فی اھل الشوریٰ، استخلاف ابی بکر عمر رضی اللہ عنھما، حدیث الحجاج بن علّاط، خصومۃ علی و العباس، حدیث ابی لؤلؤۃ قاتل عمر رضی اللہ عنہ، حدیث الشوریٰ، غزوۃ القادسیۃ وغیرھا کا تعلق بعض خلفاء اور صحابہ کے واقعات زندگی سے ہے جن میں زیادہ تر امور آفتاب نبوت کے غروب کے بعد پیش آئے لیکن یہ واقعات کتاب المغازی میں غالباً اس لیے شامل کیے گئے ہیں تاکہ آئندہ امت کو پتہ چل سکے کہ اس قدر نازک حالات میں صحابہ کرامؓ نے ملت کو پراگندگی، خلفشار اور انتشار سے کیوں کر بچایا۔

خلاصہ یہ کہ امام معمر کی کتاب المغازی سیرت کے معتبر ابتدائی مصادر میں سے ہے۔ اس کا زیادہ حصہ امام معمر نے اپنے استاذ امام زہری سے روایت کیا ہے۔ امام زہری کے علاوہ بعض روایتیں عکرمہ، قتادہ، ابن عباس، عروہ، سعید بن المسیب وغیرہ جیسے ممتاز راویوں سے بھی مروی اس میں موجود ہیں۔ اس لیے یہ خیال درست نہیں کہ یہ امام زہری کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب المصنّف میں شامل تھی جس کے سبب عام دسترس میں نہیں تھی۔ المصنّف کی جلدوں کا جس نے بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا اسی کو اس اہم کتاب کا علم تھا۔ لیکن اب اس کو المکتبہ العربیہ، ابوظبی نے الگ سے شائع کر کے ذوق شناسان سیرت کے لیے اس سے استفادہ کا موقع فراہم کیا ہے۔ البتہ یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ بعض مقامات پر انتھونی کے محقق نسخے میں پروف کی غلطیاں نظر آئیں جن کی تصحیح المصنّف میں شامل کتاب المغازی سے کی گئی ہے۔

وقف: قرآن وحدیث کی روشنی میں

عادل حسین وگے

Ibnahad4765@gmail.com

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، اسلامک یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی، اونتی پورہ (کشمیر)

ڈاکٹر غلام نبی

nabeeliust@gmail.com

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، اسلامک یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی، اونتی پورہ (کشمیر)

نصیر الاسلام

naseermalik88@gmail.com

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، اسلامک یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی، اونتی پورہ (کشمیر)

وقف اسلامی شریعت کے اہم ترین اداروں میں سے ایک ہے جو معاشرے کے سماجی اور معاشی تانے بانے کی تعمیر نو کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ ادارہ مذہبی، سماجی، معاشی، ثقافتی اور انسانیت کی مختلف جہتوں کے ساتھ انسانی انحصار، سخاوت، رواداری اور یکجہتی کی زندہ مثال ہے۔ اس میں غریبوں کی بنیادی ضروریات بشمول لباس، خوراک اور رہائش کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ صحت اور تعلیم سمیت عوامی اشیاء اور خدمات کو دستیاب کرنے کی صلاحیت ہے۔ وقف، اسلام میں سب سے مناسب انفاقی ادارہ ہے کیونکہ یہ وسیع پیمانے پر ضروریات کو پورا کرتا ہے اور جو در حقیقت رحم دلی اور ہمدردی کی اسلامی اقدار کی مثال ہے[1]۔ وقف خاندان کی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ لوگوں کو غربت سے بچانے کو ترجیح دیتا ہے۔ وقف کو صدقہ جاریہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ وقف اخوت کے احساس کو فروغ دیتا ہے، یتیموں، بیواؤں اور غریبوں کو آمدنی کا ایک مستحکم ذریعہ فراہم کرتا ہے،

---

[1] Topbas, Osman Nuri, *Endowment, Charity and Service in Islam,* Istanbul: Erkam Publications, 2009, p.18

اور یہ رحم دلی کا ایک اہم عمل ہے۔(۲) وقف کی جمع او قاف ہے، جو بنیادی لفظ "وَقَفَ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں "رکنا" اور "برقرار رہنا"۔(۳) تکنیکی معنوں میں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اثاثے وقف کیے گئے ہیں انہیں کسی دوسرے شخص کو منتقل کرنے سے روکا جائے گا، وقف اصطلاح میں وہ عمل ہے جس کا مطلب ہے کسی بھی خیراتی، مذہبی، تعلیمی، سماجی یا فلاحی مقصد کے لیے منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کو مستقل طور پر عطیہ کرنا۔(۴) شرعی نقطۂ نظر سے وقف کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ "اصل مال کو بچا کے رکھنا تاکہ اسکی آمدنی کو نیکی اور انسان دوستی کی نمائندگی کرنے والے مقصد کے فائدے کے لئے بار بار استعمال کیا جاسکے یا کسی چیز کی منفعت کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دینا اور اصل کو اپنی ملک یا اللہ کی ملک میں رکھنا"۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے وقف کھپت سے فنڈز (اور دیگر وسائل) کو منتقل کرنے اور انہیں پیداواری اثاثوں میں سرمایہ کاری کرنے کا ایک ذریعہ ہے جو افراد یا افراد کے گروہوں کے ذریعہ مستقبل کی کھپت کے لیے یا تو فائدہ یا آمدنی فراہم کرتا ہے۔(۵)

وقف کا تصور اسلام نے دیا ہے، کیونکہ یہ قبل از اسلام عرب میں اس طرح موجود نہیں تھا جس طرح اسلام نے اسے قائم کیا ہے۔ صدقہ وخیرات کے احکام اور نیک اعمال قرآن میں وقف کے قیام کے لیے قانونی بنیاد کے طور پر شمار کیے گئے ہیں، اس حقیقت کے باوجود کہ وقف کے ادارے کے بارے میں تفصیل براہ راست قرآن میں بیان نہیں کی گئی ہے۔(۶) اس کی مشروعیت کی تائید ان احادیث نبویہ ﷺ سے ہوتی ہے جو بار بار صدقہ وخیرات کی ترویج کرتی ہیں اور اس کے لیے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرف سے اسلام کے طلوع آفتاب کے وقت قائم کردہ وقف کی مثالیں ہیں۔(۷) قرآن میں وقف کے ادارے کا کوئی خاص حوالہ نہیں ہے، حالانکہ اسلام میں

---

(۲) ڈاکٹر فضل الٰہی خان، آغاز اسلام میں وقف اسلام کا اثر و نفوذ، ص ۳۲۱

(۳) ابن منظور، لسان العرب، بیروت، ۱۹۶۸ء، جلد ۹

(۴) Hussain, Munawar, Muslim Endowments, Waqf Law and Judicial Response in India, New York: Routledge, 2021, p.1

(۵) Kahf, Monzer, "Financing the Development of Awqaf Property," The American Journal of Islamic, Social Sciences16:4, pp 41-43.

(۶) Hussain, Munawar, *Op.Cit.*, p.XIV

(۷) *Idem.*, p. XIV

خیراتی احکام موجود ہے۔ تاہم ابتداء سے ہی وقف کو شریعت میں بڑی اہمیت حاصل ہوئی ہے جس کی وجہ سے شریعت اسلامیہ کی سب سے اہم شاخ وقف کا قانون ہے۔[۸] قرآن مجید میں "البر" اور "الخیر" جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو نیکی، اخلاقیات اور خیرات سے متعلق ہیں اور وقف کے بارے میں بالواسطہ حوالہ جات اور احکام دینے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ لہذا اصول وقف قرآن کی متعدد سورتوں میں پائے جانے والے اخلاقی اور خیرات کے بارے میں ہیں۔[۹] ان احکامات کا استعمال وقف ادارے کی قانونی حیثیت اور جواز کا تعین کرنے کے لئے کیا جاسکتا ہے۔[۱۰] ذیل میں قرآن مجید کی کچھ آیات ہیں جو وقف کے حوالے سے تقریباً تمام کاموں میں علماء نے بیان کی ہیں۔

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔

(نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں)[۱۱]

یہاں اس آیت میں مشرق یا مغرب کی طرف منہ موڑنے کو مثالی مقاصد کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت کا اصل پیغام اس حقیقت پر روشنی ڈالنا ہے کہ صرف بعض رسومات پر عمل کرنا،

---

[۸] Taher, Mohammed.Islamic Institutions, Ed, New Delhi, Anmol Publications, 1998, p. 321

[۹] Hussain, Munawar. Op. Cit., p.2.

[۱۰] Laluddin, Hayatullah.et el, Revisiting the Concept of Waqf: Its Maintenance, Issues and Challenges, International Journal of Islamic Thought. Vol. 20,2021, pp.53-64

[۱۱] البقرہ:۱۷۷

بعض رسمی مذہبی اعمال کو ہم آہنگی کے ساتھ انجام دینا اور تقویٰ کی بعض معروف شکلوں کا مظاہرہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ضروری راست بازی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ قرآن مجید نے وقف کے اصول کو مزید واضح کیا ہے، جن پر وقف کرنے سے پہلے غور کرنا ضروری ہے۔ قرآن یہاں وقف سے مستفید ہونے والوں کو ہدف بناتا ہے جن کی وضاحت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۵ میں کی گئی ہے:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَآ أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔[۱۲]

(آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ تم فرماؤ: جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافر کے لیے ہے اور تم جو بھلائی کرو بیشک اللہ اسے جانتا ہے)

اس آیت کا زکوٰۃ سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کی حد مقرر ہے اور اس کے تحت خرچ کرنے کا واجب تناسب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے مکمل طور پر متعین کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس سے مراد رضاکارانہ خیرات (الصدقۃ النافلہ) ہے۔ اس سے یہ شک بھی دور ہوتا ہے کہ آیت نمبر ۲۱۵ کے تحت والدین پر خرچ کرنے والوں کے طور پر شامل کیا گیا ہے، حالانکہ والدین کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ۔[۱۳]

(اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) کچھ خرچ کرو اور خرچ کرتے ہوئے خاص ناقص مال (دینے) کا ارادہ نہ کرو حالانکہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم اسے چشم پوشی کیے بغیر قبول نہیں کرو گے اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ، حمد کے لائق ہے)

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم اور ترغیب دیتا ہے کہ وہ صدقات میں ایمانداری کا مال خرچ کریں نہ کہ ناجائز ذرائع سے کمائے گئے مال کو۔ لہٰذا اس آیت کے مطابق اسلام اس بات پر زور دیتا ہے

---

[۱۲] البقرہ:۲۱۵

[۱۳] البقرہ:۲۶۷

کہ صدقہ میں دیا جانے والا مال حلال آمدنی سے ہونا چاہیے۔

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

(تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم اپنی پسند کی چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے)[۱۴]

اس آیت کا مقصد راست بازی کے تصور کو عام کرنا ہے۔ نیکی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مومن کوئی ایسی چیز خرچ کرتا ہے جو اس کے دل کے قریب ترین ہو۔ نیکی کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہترین عطیات دیے جائیں۔

تاریخی طور پر وقف کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی واضح ہدایات سے ملتی ہے۔ غلام عبدالحق محمد امام ابو یوسف کے حوالے سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کی طرف سے قائم کردہ عطیات عام طور پر مشہور ہیں۔ لہٰذا انہیں ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔[۱۵] امیر علی لکھتے ہیں کہ وقف کی قانونی حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وضع کردہ اصولوں پر منحصر ہے۔ وقف کا اصول ایک مسلمان کی پوری مذہبی، سماجی اور معاشی زندگی سے جڑا ہوا ہے۔[۱۶] امیر علی مزید کہتے ہیں کہ وقف کی ابتداء نیک اور سخی طرز عمل سے ہوتی ہے، جو اسلام کی بنیادیں ہیں۔ سنت وقف کے جواز کے لئے ایک مضبوط بنیاد کے طور پر کام کرتی ہے کیونکہ متعدد محدثین واضح طور پر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ وقف جائز ہے۔ وقف کی تشکیل بنیادی طور پر مذہبی وجوہات کی بنا پر کی گئی تھی، کیونکہ مذہب مسلمانوں کے سماجی اور فکری کاموں کے پیچھے محرک کے طور پر کام کرتا ہے۔[۱۷]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین قسم کے اعمال یعنی الصدقہ الجاریہ، علم اور نیک اولاد کے دائمی فوائد پر زور دیتے ہوئے جو روایت نقل کی ہے وہ ان احادیث میں سے ایک ہے جو وقف کے

---

[۱۴] آل عمران:۹۲

[۱۵] غلام عبدالحق محمد، احکام وقف، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ص ۳۴

[۱۶] Ali, Ameer, *Muhammadan Law,* New Delhi: Himalayan Books, Vol. I, 1985, pp. 192-194.

[۱۷] Laluddin, Hayatullah, *et. al. Op. Cit.*, pp.53-64

جواز کی عکاسی کرتی ہے۔ وقف حدیث میں مذکور الصدقہ الجاریہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مشورے کے بعد خیبر میں اپنے مال کے عطیات دینے کی روایت وقف کی قانونی حیثیت کے حق میں دوسری دلیل ہے۔[۱۸] اسلام کی ابتدائی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات کو وقف کے قانونی نظام کے ارتقاء کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کے بنیادی مصادر میں وقف کے تصور کی تائید کرنے والے کچھ شواہد درج ذیل ہیں:

۱۔ مسجد قبا کی تعمیر کے لیے بنو عمرو بن عوف نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بعد زمین کا عطیہ دیا۔[۱۹]

۲۔ مدینہ کا ایک مشہور کنواں، جسے بیر الرومہ کے نام سے جانا جاتا ہے اس کا عطیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے۔[۲۰]

۳۔ مدینہ میں واقع اپنے رشتہ داروں کو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک باغ کا عطیہ۔[۲۱]

محمد ظفر عالم ندوی کے مطابق آل عمران کی آیت نمبر ۹۲ میں ہر قسم کا صدقہ شامل ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام خاص طور پر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور اپنے محبوب ترین باغ کو صدقہ دینے کی خواہش کا اظہار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے اپنے بچوں کے لیے صدقہ کرنے کا مشورہ دیا۔[۲۲]

مسلم فقہاء نے مذکورہ بالا واقعات کے جواب میں وقف کا نظریہ تیار کیا۔ ان واقعات کے نتیجے میں مقدس وجوہات، سماجی ضروریات اور خاندانی وقف کی بنا پر وقف کا قیام عمل میں آیا۔ محمد ظفر عالم ندوی کے مطابق آیت، یَآیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوآ اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ

---

[۱۸] *Idem*

[۱۹] Al Mubarakpuri, Safi-ur-Rahman, *The Sealed Nectar,* New Delhi: Islami Kitab Ghar, 2002, pp.214-215

[۲۰] البخاری: ۲۷۷۸

[۲۱] البخاری: ۲۷۵۸

[۲۲] محمد ظفر عالم ندوی، اسلام کا نظام وقف، مجلس صحافت و نشریات، لکھنؤ، ص ۳۴

(البقرہ: ۲۶۷) بھی اسی سمت کی طرف اشارہ کرتی ہے[۲۳]۔ ان آیات کے علاوہ نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث میں اس کے جواز کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ محمد ظفر عالم ندوی علامہ ابن قدامہ المقدسی سے روایت کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں سب سے اہم ماخذ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مشورہ مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها[۲۴]

(اگر چاہو تو اصل جائیداد اپنے قبضے میں روکے رکھو اور اس کے منافع کو خیرات کردو)

یہ وہ روایت ہے جو وقف کی دائمی حیثیت اور اس کی تقسیم کے بارے میں بات کرتی ہے۔ ایک اور حدیث امام مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مذکورہ حدیث سے پہلے نقل کی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں سوائے تین کے: صدقہ جاریہ، نفع بخش علم، یا ایک نیک بیٹا، جو اس کے لیے دعا کرے۔[۲۵]

اسی روایت کا ذکر امام ابوداؤد[۲۶]، امام ترمذی[۲۷] اور امام مسلم نے بھی کیا ہے۔ یہاں صدقۂ جاریہ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جسے علماء نے وقف قرار دیا ہے، کیونکہ اس اصطلاح میں وقف کے ان اعمال کا احاطہ کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بار بار انسانیت کی خدمت کرنے والے اثاثوں کو چھوڑنا شامل ہے۔[۲۸]

وقف کے سلسلے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ایک اور حدیث ہے جو خیبر میں عمرؓ کی

---

[۲۳] محمد ظفر عالم ندوی، اسلام کا نظام وقف، مجلس صحافت و نشریات، لکھنؤ، ص ۳۴۔۳۵

[۲۴] البخاری: ۲۷۷۲

[۲۵] مسلم: ۱۶۳۱، ۴۲۲۳

[۲۶] ابوداؤد: ۲۸۸۰

[۲۷] الترمذی: ۱۳۷۶

[۲۸] Topbas, Osman Nuri, *Op. Cit.*, p.19.

سر زمین سے متعلق ہے:

> عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی (جس کا نام ثمغ تھا) تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ایک زمین ملی ہے اور اس سے عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا تھا' آپ اس کے بارے میں مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر چاہو تو اصل جائیداد اپنے قبضے میں روک رکھو اور اس کے منافع کو خیرات کر دو۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس شرط کے ساتھ صدقہ (وقف) کیا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے، نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں کسی کو ملے اور فقراء، رشتہ دار، غلام آزاد کرانے، اللہ کے راستے (کے مجاہدوں) مہمانوں اور مسافروں کے لئے (وقف ہے) جو شخص بھی اس کا متولی ہو اگر دستور کے مطابق اس میں سے کھائے یا اپنے کسی دوست کو کھلائے تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ مال جمع کرنے کا ارادہ نہ ہو۔[۲۹]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی وقف کی شرائط کا ایک ثبوت ہے کیونکہ امام بخاری نے کتاب الوصایا، باب: عطیات کے تحت اس پر بحث کی ہے۔ اسی روایت کو امام ابو داؤد[۳۰]، ترمذی[۳۱]، امام مسلم[۳۲]، امام نسائی[۳۳] اور ابن ماجہ نے بھی اس تبصرہ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ متولی وقف سے اپنے لئے جمع کیے بغیر اس میں سے خرچ کر سکتا ہے لیکن اسے اپنے لیے آمدنی کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا- وقف کا متولی وقف کی رقم کو فضول خرچی کے بغیر صرف بنیادی ضروریات کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔[۳۴] آخری حدیث جو نہ صرف وقف کی قانونی حیثیت کا ثبوت ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس ابہام کو بھی دور کرتی ہے کہ آیا کسی متوفی کے حق میں وقف قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ قبیلہ بنی ساعدہ کے بھائی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی

---

[۲۹] البخاری: ۲۷۷۲

[۳۰] ابو داؤد: ۲۸۷۸

[۳۱] الترمذی: ۱۳۷۵

[۳۲] المسلم: ۱۶۳۱

[۳۳] نسائی: ۳۶۲۶

[۳۴] ابن ماجہ: ۲۳۹۶

ماں کا انتقال ہوا تو وہ ان کی خدمت میں حاضر نہیں تھے (بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ دومۃ الجندل میں شریک تھے) اس لیے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اور میں اس وقت موجود نہیں تھا تو اگر میں ان کی طرف سے خیرات کروں تو انہیں اس کا فائدہ پہنچے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! سعد رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا کہ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا باغ مخراف نامی ان کی طرف سے خیرات ہے۔

مذکورہ قرآنی آیات اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روایات اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں کہ وقف ایک اسلامی مالیاتی ادارہ کی حیثیت سے اسلامی نظام کا لازمی جزو ہے تاکہ معاشرے کے ضرورت مند، غریب اور پسماندہ طبقوں کی مدد کی جاسکے۔ ایک مالیاتی ادارے کے طور پر وقف کی قانونی حیثیت کو قرآن وسنت دونوں کی تائید حاصل ہے۔

تحفۃ النصائح کے خطی نسخوں کا تعارف

اختر النساء

سینئر ریسرچ فیلو، شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

Akhtarunn71@gmail.com

ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کا آغاز قطب الدین ایبک ۱۰-۱۲۰۶ء کے دور سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں کئی خاندان خلجی، تغلق، سید اور لودی بر سر اقتدار آئے۔

تغلق عہد اپنی آب و تاب اور شان و شوکت اور ملکی امور کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جس نے عرصہ دراز یعنی ۱۳۲۰ء سے ۱۴۱۴ء تک حکومت کی ہے۔ تغلق خاندان کے تین نامور حکمران غیاث الدین تغلق (جس نے تغلق خاندان کی بنیاد رکھی) محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق گزرے ہیں۔ انہوں نے دہلی سلطنت کو ایک نئی شکل دینے میں اہم فریضہ انجام دیا، انہوں نے نہ صرف پائے تخت دہلی پر حکومت کی ہے بلکہ اپنی فہم و فراست، شجاعت و شہامت، دانش مندی اور دانش بینی سے ہندوستان کے دور دراز علاقوں کو بھی اپنی حکومت کے ماتحت کیا۔ یہی وہ پہلی حکومت ہے، جس نے شمال و جنوب میں اپنی حکمرانی کا جھنڈا مستقل طور پر لہرایا تھا۔ تغلق سلاطین نہ صرف تلوار بازی اور ملکی امور میں مہارت رکھتے تھے بلکہ وہ علم و ادب سے گہرا شغف رکھتے تھے، ان ہی میں محمد بن تغلق بھی تھا جس نے دہلی سے کچھ علماء و مشائخ کو اس لیے دولت آباد بھیجا تاکہ وہاں بھی علم کا مرکز بنا سکے۔ دہلی سے ہجرت کرنے والوں میں شیخ برہان الدین غریب، امیر حسن دہلوی، مولانا فخر الدین زرادی جیسے بزرگ اور خود تحفۃ النصائح کے شاعر سید یوسف حسینی بھی شامل تھے۔

سید یوسف حسینی تغلق عہد کے ایک کم معروف صوفی شاعر ہیں۔ وہ ہندوستان کی ایک بزرگ نامور ہستی سید محمد بندہ نواز گیسو دراز کے والد محترم ہیں۔ ان کے آباء و اجداد ایرانی تھے۔ جو سلطان مسعود کے عہد حکومت میں ایران سے ہجرت کرکے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ دہلی میں شاہی دربار سے وابستہ ہوئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔

ان کا نام سید یوسف حسینی ہے۔ دکن میں پہلے سید راجہ کے نام سے معروف ہوئے لیکن بعد میں راجو قتال کے نام سے اپنے معاصرین میں مقبول ہوئے۔ صوفیوں کے قول کے مطابق قتال کا معنٰی اپنی

نفسانی خواہشات کے ساتھ جہاد کرنا اور دنیاوی تمام چیزوں سے قطع تعلق کرنے کے ہیں۔

وہ یوسف گدا کے نام سے بھی شہرت رکھتے ہیں بلکہ ان کی خود نوشت "تحفۃ النصائح" کے تمام مخطوطات پر صرف یوسف گدا ہی نام موجود ہے، حسب ذیل شعر سے واضح ہوتا ہے جو ان کے ہر مخطوطہ میں موجود ہے:

گوید ہمی یوسف گدا وعظ سخنی چند را

از بہر خلقی خوش لقا بو الفتح آن نور البصر[۱]

ترجمہ: شاعر مخصوص اپنے بیٹے کیلئے کہتا ہے کہ یوسف گدا آنکھ کے نور (بیٹے) اچھے اخلاق والے بوالفتح کے لئے چند نصیحت کی باتیں کہتا ہے۔

اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی انکساری اور عاجزی والے شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت علی بن طالبؓ سے ملتا ہے۔ ان کے والد کا نام سید علی ہے، سید یوسف حسینی اور ان کے والد محترم خواجہ نظام الدین اولیاء، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی سے بَیعَت تھے۔ ان کو اپنے پیر و مرشد سے بہت ہی عقیدت و ارادت تھی، مرشد سے ان کی محبت کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہوتا ہے:

شیخ معظم پیر ما محمود آن صاحب قران

چون او نباشد ہیچ کس ہم محتشم ہم مشتہر

عالم بعلم ہمچو او ہر گز ندیدہ مردمی

اندر کرامت ہمچو او خیزد کجا دور قمر[۲]

ترجمہ: عظمت والے ہمارے پیر محمود نصیر الدین وہ صاحب قران ان جیسا دبدبہ والا، شہرت والا کوئی نہیں ہے۔ اس عالم میں کوئی بھی علم والا نہیں دیکھا۔ اس جیسا کرامت والا دنیا میں کوئی نہیں آیا۔

ان کے بنیادی ماخذ (مخطوطات) اور ثانوی ماخذ میں کہیں بھی ان کی سال پیدائش، جائے پیدائش کے بارے میں نہیں ملتا ہے۔ اور تاریخ وفات کے بارے میں ذیل کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات ۷۳۱ھ بمطابق ۱۳۳۱ء میں دولت آباد میں ہوئی ہے۔

---

[۱] تحفۃ النصائح، باب در حسب حال وباعثہ نظم کتاب گوید

[۲] تحفۃ النصائح، باب در مدح شیخ العالمین محمود نصیر الدین قدس سرہ

جب محمد بن تغلق ۷۲۷ھ میں علماء ومشائخ کو دہلی سے دولت آباد منتقل کیا تو ہجرت کرنے والوں میں سید یوسف حسینی بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ شامل تھے مہاجرین کے کارواں کے ساتھ ۷۲۹ھ میں ان کا خاندان بھی دولت آباد پہنچا۔ تذکروں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ دولت آباد کے قیام کے دو سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی قبر آج بھی دولت آباد میں موجود ہے، جو زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔ ہر سال ۵ شوال کو ان کا عرس ہوتا ہے۔

سید یوسف حسینی علمی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی تصنیفات میں دیوان راجہ، مثنوی راجہ اور "تحفۃ النصائح" کے نام ملتے ہیں۔

چودہویں صدی عیسوی میں فقہ کی تعلیم کا کافی عروج تھا اس عہد میں کئی صوفیاء، علماء گزرے ہیں تعداد کے اعتبار سے کسی دوسرے عہد میں اتنے مشائخ کبھی نہیں رہے جتنے اس عہد میں تھے۔ اس عہد کے مشائخ کو قرآن اور فقہ حنفی پر مشتمل کتاب ہدایہ حفظ تھی۔ سلطان محمد بن تغلق کو بھی قرآن اور ہدایہ ازبر تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید یوسف حسینی کا منظوم کلام "تحفۃ النصائح" جیسا کہ حسب ذیل شعر سے واضح ہوتا ہے:

روز بکن نیت زدل رمضان چون بینی ماه را
غیبت مکن فحشی مگو از لاغ و بازی کن حذ ر
باآب کن افطار را چون گرم بینی از ہوا
افطار با خر مابکن بینی ہوا چون سردتر[۳]

ترجمہ: جب رمضان کے مہینے کا چاند دیکھو تو دل سے روزہ کی نیت کر لو۔ غیبت، فحش، گالی گلوج، مذاق، کھیل کود سے دور رہا کرو۔ جب ہوا گرم دیکھ تو پانی سے افطار کرا اور جب سرد ہوا دیکھ تو کھجور سے افطار کرو۔

تحفۃ النصائح میں فقہ واخلاق اور نصیحت کی باتوں کو نظم کیا گیا ہے، یہ کتاب شاعر نے اپنے بیٹے سید بندہ نواز گیسو دراز کی تربیت اور ان کو نصیحت کرنے کے لیے نظم کی تھی۔ درج ذیل شعر سے اس کی وضاحت ہوتی ہے:

پندی بگویم بعد ازیں بشنو ز من بہر خدا
دریست آخر بی بہا در گوش کن جان پدر[۴]

---

[۳] تحفۃ النصائح، باب در بیان روزہ ہائے ماہ رمضان

ترجمہ: اے باپ کی جان میں نصیحت کرتا ہوں، خدا کے لیے اس کو غور سے سن، موتی جیسی بیش قیمتی باتوں کو سن۔

یہ کتاب حمد، نعت اور منقبت کے علاوہ ۴۵ ابواب پر مشتمل ہے جس میں ہر شعر کا آخری مصرعہ ہم قافیہ ہے۔ اور مکمل کتاب ایک ہی بحر میں ہے۔

تحفۃ النصائح کی تصحیح و تدوین کے لئے مختلف کتب خانوں کے قلمی نسخوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کے ۱۱ نسخے دستیاب ہوئے ہیں جن میں صرف ۴ نسخے مکمل ہیں اور سات نسخہ ناقص الطرفین ہیں۔ یہ سارے نسخے راقم سطور کے پیش نظر رہے ہیں۔ ان میں سے ۶ نسخے مولانا آزاد کے مخطوطات کے مختلف کلکشن میں موجود ہیں۔ ۳ نسخے سالار جنگ میوزیم حیدر آباد ۲ نسخے خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ جو کہ انڈین کلچر آرکائیوز سے حاصل کیے گئے تھے۔ چند نسخوں کا ذیل میں جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

نسخہ اول: یہ نسخہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے مخطوطات میں انڈین کلچر آرکائیوز میں موجود ہے۔ ۶۷ اوراق اور خط نستعلیق میں ہے، اشعار کی تعداد ۷۸۱ ہے، اس کا کاتب واجد علی حسین ہے ۱۱۸۳ھ میں نقل ہوا ہے نسخہ کا آغاز حمد، نعت، منقبت سے ہوا ہے اور اختتام حسب ذیل شعر پر ہوا ہے:

ابواب او چہل و پنج یقین اندر حساب هم حصر

آخر ربیع الآخرین وقت صبح روز قمر[5]

ترجمہ: اس کتاب میں شمار کے حساب سے ۴۵ باب ہیں اور روز قمر صبح کے وقت آخر ربیع الآخر میں مکمل ہوئی ہے۔

نسخۂ دوم: سالار جنگ میوزیم حیدر آباد میں موجود ہے اس میں ۷۵ ورق اور اشعار کی تعداد ۷۷۶ ہے۔ خط نستعلیق میں ہے، یہ نسخہ خوش خط ہونے کے ساتھ ساتھ مکمل بھی ہے اور اس کا سال تکمیل ۷۹۵ھ درج ہے۔ یہ نسخہ سید یوسف حسینی کے زمانے سے کچھ ہی عرصہ بعد کا ہے، لیکن اس کو بنیاد اس لیے نہیں بنایا گیا کیونکہ یہ بہت ہی کرم خوردہ اور اوراق بہت ہی بوسیدہ ہیں۔ اس نسخہ میں

---

(۴) تحفۃ النصائح، باب در حسب حال و باعثۂ نظم کتاب گوید

(۵) تحفۃ النصائح، باب چہل و پنجم در بیان مناجات و خاتمت کتاب و جزان

حمد، نعت سے پہلے چند رباعیات بھی ہیں، اس نسخہ کی ابتداء حسب ذیل شعر سے ہوتی ہے:

خداوندا بحق جود و فضلت
بحق رحمت و اظہار عدلت
بحق قدرت بر خاک و افلاک
بحق صنعت در پردہ خاک[۶]

ترجمہ: اے خدا فضل و سخاوت تیرے حق سے ہے، تیرا عدل اظہار و رحمت تجھ سے ہی ہے، زمین و آسمان پر تیری قدرت تیری وجہ سے ہے، زمین میں پوشیدہ کاریگری تجھ سے ہی موجود ہے۔

اس کا اختتام درج ذیل عبارت پر ہوا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شاعر کی خود نوشت ہے۔

سنت تمام شد کار من نظام شد
تحفۃ النصائح من تصنیف حضرت شاہ راجو قتال تمام شد[۷]

ترجمہ: شاعر کہتا ہے کہ سنت کا میرا یہ کام نظم وضبط کے ساتھ مکمل ہوا۔ میرا تحفۃ النصائح حضرت راجو قتال کی تصنیف پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔

نسخۂ سوم: تحفۃ النصائح کا یہ نسخہ مولانا آزاد لائبریری کے یونیورسٹی کلکشن میں فارسی مذہب، اور تصوف مثنوی کے تحت موجود ہے۔ اس میں ۵۱ ورق ہیں۔ خط نستعلیق میں صاف اور واضح لفظوں میں لکھا ہوا ہے، جس کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد درج ذیل شعر سے ہوا ہے:

حمدی بگویم بیعدد مر خالق جن و بشر
کردہ معلق آسمان ہم اختران شمس وقمر[۸]

ترجمہ: اس کی بے شمار تعریف بیان کرتا ہوں جس نے خاص کر جن اور انسان کو پیدا کیا اور آفتاب، مہتاب اور ستارے کو آسمان میں لٹکا دیا ہے۔

اس نسخہ کے ترقیمہ کے مطابق اس کی کتابت ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ میں ہوئی ہے۔ کاتب کا نام محمد میر ہے۔ اشعار کی تعداد ۱۷۷ ہے۔

---

[۶] تحفۃ النصائح، خطی نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد، ص ۲
[۷] تحفۃ النصائح، باب چہل و پنجم در بیان مناجات و خاتمہ کتاب گوید
[۸] تحفۃ النصائح، التوحید باری تعالیٰ

نسخۂ چہارم: یہ نسخہ مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات کے سبحان اللہ کلکشن کی تفصیلی فہرست میں اخلاق فارسی منظوم ناقص الطرفین کے نام سے موجود ہے۔ اس میں صرف ۳۶ ورق ہیں، خط نستعلیق میں ہے، اس نسخہ کی ترتیب و کتابت ۱۲۵۷ھ میں ہوئی ہے، کاتب کا نام عاصم رحیم باسط ہے۔ اس کی ابتداء حمد، نعت، منقبت سے ہوئی ہے۔ اس نسخہ کی تفصیلی فہرست پر ناقص الطرفین ضرور لکھا ہوا ہے لیکن دیگر نسخہ سے موازنہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نسخہ میں اشعار کی تعداد زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ اس نسخہ کو قرآنی آیات اور حدیث سے مزین کیا گیا ہے۔ اس کی مثال درج ذیل شعر سے دی جاتی ہے:

روشن شود ہم روئے ھا بعضی چو ماہ چار دہ
بعضی سیہ باشد چنان دیجور شب زو خوبتر[9]

ترجمہ: شاعر کہتا ہے کہ بعض چہرے چودھویں چاند کی طرح روشن چمک رہا ہو گا۔ بعض چہرے سیاہ تاریکی رات سے بھی زیادہ کالا ہو گا۔

يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ (سورہ ال عمران، آیت نمبر ۱۰۶)

ترجمہ: جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ۔

اس میں ۱۸۷ اشعار ہیں۔ نسخہ کا اختتام ترقیمہ پر ہوا ہے۔ لیکن یہ نسخہ ناقص الطرفین کے ساتھ ساتھ کرم خوردہ بھی ہے۔

نسخۂ پنجم: یہ نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد میں موجود ہے۔ ۵۳ ورق خط نستعلیق میں ہے۔ ۹۵۷ھ میں مکمل ہوا ہے، اشعار کی تعداد ۷۸۶ ہے۔ لیکن شروع کا حصہ ناقص ہے۔

مآخذ

۱۔ تحفۃ النصائح منظوم، سلیمان کلکشن فقہ فارسی تفصیلی فہرست نمبر ۹۴ / ۳۰، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ
۲۔ تحفۃ النصائح، سبحان اللہ کلکشن مثنویات فارسی تفصیلی نمبر ۵۵۲۶ء / ۸۹۱ / ۱۳، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ
۳۔ تحفۃ النصائح، ج ف اخلاق کلکشن نمبر ۴۷ء۳، تصوف کلاس نمبر ۷ء۲۹۷ / ۳۴ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ
۴۔ تحفۃ النصائح، منظوم، ج ف اخلاق کلکشن نمبر ۶۳۳، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ

---

[9] تحفۃ النصائح، باب سوم در بیان گوروجزان

۵۔ تحفۃ النصائح، منظوم، سبحان اللہ اخلاق کلکشن فارسی سکشن نمبر ۵۵۲۶ء۸۹۱/ ۱۳، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ
۶۔ تحفۃ النصائح، منظوم، یونیورسٹی کلکشن کتاب نمبر ۱۳۵ (تفصیلی فہرست نمبر ۳۷۵) فارسیہ (۲) مثنوی، آزاد مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ
۷۔ تحفۃ النصائح، کتابیات نمبر ۱۰۸۹، سالار جنگ میوزیم حیدر آباد
۸۔ تحفۃ النصائح، کتابیات نمبر ۲۰۸۹، سالار جنگ میوزیم حیدر آباد
۹۔ تحفۃ النصائح، کتابیات نمبر ۱۰۹۰ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد
۱۰۔ تحفۃ النصائح، کیٹلاگ نمبر ۱۸۴۷ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری
۱۱۔ تحفۃ النصائح، سیریل نمبر ۲۶۶۶ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری
۱۲۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، تالیف، خلیق احمد صاحب نظامی، سن اشاعت، ۱۹۵۸ء
۱۳۔ مراۃ الاسرار، مصنف، شیخ عبد الرحمان چشتی، سن اشاعت، ۲۰۱۰ء
۱۴۔ اخبار الاخیار اردو: مصنف، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، مرجم، مولانا سبحان محمود صاحب مولانا محمد فاضل صاحب اساتذہ دار العلوم اشاعت، ۱۴۱۴ھ بمطابق ۱۹۹۴

اخبار علمیہ

بحیرۂ روم میں غرقاب پل کی دریافت

ماہرین آثار قدیمہ کو ہسپانوی جزیرے مایورکا پر ایک غار میں ۲۵ فٹ (۶۲ء۷ میٹر) ڈوبا ہوا پل ملا ہے جو اس علاقے میں قدیم انسانی سرگرمیوں کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ مایورکا کو بحیرہ روم کے چھٹے سب سے بڑے جزیرے کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہ ان جزیروں میں سے ایک ہے جہاں کبھی انسانوں کی آبادی تھی۔ یہاں کوئلہ، راکھ اور ہڈیوں جیسے آثار قدیمہ کی دریافتوں کے تجزیہ کے بعد انسانی آباد کاری کے وقت کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جو ۴۴۰۰ سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ بعضوں کے نزدیک یہ زمانہ ۹۰۰۰ سال پرانا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ متضاد نتائج اب بھی زیر بحث ہیں۔ اس جزیرے میں کیلشیم سے بھرپور مختلف ذخائر، سمندر کی سطح میں اضافے کے دوران بنتے ہیں۔ اس کے باقیات کے تجزیے کے بعد جرنل Communications Earth & Environment میں شائع ہونے والی تحقیق میں بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کو تقریباً ۶۰۰۰ سال پہلے کا بتایا گیا ہے۔ سائنسدانوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ذخائر کی یہ باقیات انسانوں کی آبادی سے دو ہزار سال پہلے کی نشاندہی کرتی ہیں۔

(صحیفۃ الوطن، بحرین ۴ ستمبر ۲۰۲۴ء ص ۱۶)

ترکی کے ایک چرچ میں ۱۶ سو سال قدیم موزائک فرش کی بحالی

جنوب ترکی کے صوبہ غازیانتپ کے قدیم شہر ڈولک کے تقریباً ۱۶۰۰ برس پرانے موزائک فرش کی بحالی کا کام تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اس کی کھدائی کا کام ترکی کی وزارت ثقافت وسیاحت اور جرمن یونیورسٹی آف مونسٹر (مانچسٹر) کے تعاون واشتراک سے انجام پایا ہے۔ اس یونیورسٹی کے شعبۂ تدریس سے وابستہ کارکن پروفیسر مائیکل بلومر نے نشاندہی کی کہ جس چرچ میں یہ موزائک فرش ہے وہ چوتھی صدی عیسوی کا ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ موزائک کی خوبصورتی اس قدیم دور کے فن تعمیر کی خوبی نمایاں کرتی ہے۔ واضح رہے کہ ڈولک کا شمار بھی تاریخ کی قدیم ترین انسانی بستیوں میں ہوتا ہے۔ (صحیفۃ الوطن، بحرین ۱۰ ستمبر ۲۰۲۴ء ص ۱۶)

ک۔ ص۔ اصلاحی

برّصغیر میں طبع شدہ فارسی کتب کی کتابیات

ڈاکٹر عارف نوشاہی (اسلام آباد) کے ایک دیرینہ علمی منصوبے "کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ: (ہند، پاکستان، بنگلادیش)" کی پانچویں، چھٹی اور ساتویں جلد تہران کے اشاعتی ادارے موسسہ پژوہشی میراث مکتوب نے اگست ۲۰۲۴ میں شائع کر دی ہے۔ اس کی پہلی چار جلدیں بھی ۲۰۱۲ء میں اسی ادارے نے شائع کی تھیں۔ یہ علمی منصوبہ جنوبی ایشیا کے تین ممالک ہندوستان، پاکستان اور بنگلادیش کے چھاپہ خانوں میں چھپنے والی ہر موضوع پر فارسی کتب کے کوائف سے متعلق ہے۔ جلد اول تا چہارم ۱۷۸۱ تا ۲۰۰۷ء کے دورانیے میں چھپنے والی کتب کا احاطہ کیا گیا تھا، جلد پنجم تا ششم ۲۰۰۸ تا ۲۰۲۳ء دورانیے میں طبع ہونے والی کتب کو شامل کیا گیا ہے۔ نیز پہلی چار جلدوں میں زمانی اعتبار سے جن کتب کے کوائف بوجوہ شامل نہیں ہوئے تھے یا نامکمل شامل ہوئے تھے یا درج شدہ کوائف میں کوئی غلطی تھی، ایسی کتب کا تکملہ، مستدرکہ اور تصحیح جلد پنجم و ششم میں درج کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی ساتویں جلد، دراصل جلد پنجم و ششم کا محض اشاریہ ہے۔ ایک محتاط تخمینے کے مطابق اس ہفت جلدی کتابیات میں برّصغیر میں ۱۷۸۱ء میں طبع ہونے والی فارسی کی اولین کتاب ("انشاے ہر کرن"، کلکتہ) سے ۲۰۲۳ تک تقریباً تیرہ ہزار عنوانات کے تحت پچیس ہزار طباعتوں کا ذکر ہوا ہے۔ مصنف نے ہر عنوان کے تحت کتاب کا نام، مصنف، تاریخ تصنیف، موضوعی تفصیل، سال طباعت، مطبع، مرتب یا مدون، تعداد صفحات وغیرہ کا اندراج کیا ہے۔ تمام جلدیں موضوعات کے اعتبار سے مرتب ہوئی ہیں، پہلی چار جلدوں کا اشاریہ چوتھی جلد کے آخر میں دیا گیا ہے جب کہ چھٹی اور پانچویں جلد کا اشاریہ ساتویں جلد میں شامل ہے۔ اشاریے میں کتب اور اشخاص کے ناموں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ مصنف کو اعتراف ہے کہ ہنوز ۱۷۸۱ اور ۲۰۲۳ کے درمیان طبع ہونے والی کئی سَو یا کئی ہزار کتب کا ذکر اس کتابیات میں بوجوہ نہیں آسکا۔ اس نوعیت کے منصوبے وقت کے ساتھ ساتھ تکمیل ہوتے رہتے ہیں، تاہم مصنف نے خاتمے میں یہ اعلان کیا ہے کہ وہ خود اب اس منصوبے پر مزید کوئی کام نہیں کریں گے اور اس منصوبے کو جاری رکھنا اب اگلی نسل کا کام ہے۔ یہ کتابیات جنوبی ایشیا کی علمی اور تہذیبی قلمرو میں فارسی زبان و ادب کی حکومت کی دلالت پر روشن دستاویز ہے۔ اس کتابیات کے ذریعے دوسرے علاقوں کے ساتھ ساتھ جنوبی ایشیا کے گذشتہ اور حال کے ہزاروں مصنفین، شعرا کی تصانیف سے آگاہی ملتی ہے۔ جنوبی ایشیا کی کسی بھی نوعیت کی تاریخ نگاری کے لیے یہ کتاب ماخذ تک رسائی دیتی ہے۔

تبصرۂ کتب

ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی، یادِ نوبہار، قدرے بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات: ۳۸۸، قیمت: آٹھ سو روپے، سن اشاعت ۲۰۲۲، رابطہ ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی: ۹۸۳۹۵۸۲۲۱۱

شاعر نے گلوں میں رنگ ڈھلنے اور بادِ نوبہار چلنے کے لیے آواز دی تھی کہ گلشن کا کاروبار اسی وقت چلے گا جب کوئی سیر گل کی نیت کرے گا۔ زیر نظر کتاب بھی کچھ اسی قسم کی آواز دیتی نظر آتی ہے، فرق صرف ماضی و حال کا ہے۔ قریب پچاس سال پہلے، لکھنؤ کے آسمان ادب پر کئی رسالے عالم گردش میں تھے، ان ہی میں صبح ادب کے نام سے ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور کئی ادبی ستاروں کی طرح جلد ہی غروب بھی ہو گیا۔ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۸ء تک کی مدت کم ہی کہی جائے گی۔ لیکن نوجوان امنگوں اور حوصلوں اور ارادوں نے اس شعلہ مستعجل کی خوش درخشندگی سے ایک دنیا روشن کر دی۔ صبح ادب کے مدیر اس وقت ڈاکٹر نہیں ریسرچ اسکالر تھے لیکن ان کے قلم کی پرورش جن شخصیتوں اور افکار واقدار کے سایہ میں ہو رہی تھی، اسی کا فیض تھا کہ صبح ادب نے لکھنؤ کی ادبی شناخت کو احترام اور قبول عام سے ہم کنار کر دیا۔ اداریے، مضامین، رودادیں یا پھر وقت کے مشاہیر کے خطوط، ہر پہلو سے صبح ادب میں لذت تھی، مسرت تھی اور افادیت تھی۔ اب نصف صدی گزرنے کے بعد اس کے مدیر نے اپنی عمر گزشتہ کی ایک امانت کے طور پر ماضی کی یادوں کو زیر نظر مجموعہ میں سمیٹ کر اردو والوں کو یاد دلایا کہ یہ بہار بھی کبھی گزر چکی ہے۔ بادِ نوبہار کی جگہ اس کو یادِ نوبہار سے تعبیر کر کے فاضل مصنف نے اپنی خوش ذوقی کا ایک اور ثبوت پیش کر دیا۔ ان کا حسن ذوق اور پاکیزگی نیت تو صفحہ انتساب سے عیاں ہے۔ جس کی ہر سطر گویا اردو زبان و ادب و تہذیب کا عنوان بھی ہے اور اشاریہ بھی۔ انتساب کا ایسا اظہار، شاید ہی کہیں ہوا ہو۔

مقدمہ ہے لیکن اس میں جدت یہ ہے کہ یہ صبح ادب کے اجراء کے سلسلے میں فاضل مصنف کے نہایت نیک نام ماموں اور اپنے وقت کے ممتاز صحافی قاضی عدیل عباسی کے چند خطوط پر مشتمل ہے۔ ان خطوط کے متعلق صحیح لکھا گیا کہ یہ چراغ رہ گذر بھی ہیں اور حاصل فکر و نظر بھی ہیں۔ سخنوری میں دیدہ وری کی صفت شامل ہو جائے تو ذکر و فکر کے آتش دانوں کی حرارت کا کیا پوچھنا۔ کیسے کیسے خیالات، مشوروں اور نصیحتوں کا حصہ بنتے گئے کہ ”ادب برائے ادب تو اب قصہ ماضی ہے، ادب میں اب پروپیگنڈہ اور ادب کا پروپیگنڈہ متصادم ہیں۔ وہ کون سا ادب ہے جو کسی نظریہ حیات پر مبنی نہ ہو، میں ان لوگوں میں ہوں جو ادب کو معلم اخلاق کا درجہ دیتے ہیں۔ مکالے نے برطانیہ میں

شکسپیر کا انتخاب اس کی فصاحت کی بناپر نہیں کیا تھا بلکہ سبب شکسپیر کے اندر انگریز کا کلچر تھا۔ مولانا محمد علی کتنے لائق آدمی تھے مگر عمر بھر سب سے الجھتے رہے، کانگریس سے نکلے، اخبار بند ہوا اور زندگی ناکامی پر ختم ہوئی، مولانا ابوالکلام آزاد نے سنجیدہ راہ اختیار کی کامیاب رہے۔"حق یہ ہے کہ کتاب میں کچھ نہ ہوتا صرف یہ خطوط ہی ہوتے تو بھی اس کی افادیت میں کمی نہ آتی، مگر یہاں عثمانی صاحب کے اداریے ہیں، پچاس برس گزرنے کے بعد بھی جن کی ضرورت واہمیت آج بھی تازہ ہے۔ یہ اداریے دیکھا جائے تو کلام اقبال کے اشعار کی گویا تشریح بھی ہیں۔ پہلا اداریہ مورِ ناتواں کی اس بات کی سچائی کے طور پر ہے کہ لطف خرام کچھ اور ہے۔ چند خیالات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے جیسے "زبان وادب کا شعور شروع ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ زبان و ادب اپنی خصوصیات اور اپنی قوت حیات کی بنا پر زندہ رہتے ہیں۔ اردو کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ طوفان کے تھپیڑوں میں ہمیشہ ساحل کا لطف اٹھاتی رہی، اردو نے یہی پیغام دیا ہے کہ حادثات ہی سے شاہراہ زندگی کا سراغ ملتا ہے۔" پچاس سال پہلے جوش وجذبہ اور جوانی کی یہ تحریر اب خدا جانے اپنی معنویت کے اظہار میں کمزور ہوئی یا نہیں لیکن ایسے احساسات کو تازہ کرنے اور رکھنے کی ضرورت بہر حال ہے، شاید نصف صدی کی بھولی بسری اس داستان کو سنانے میں یہی راز پوشیدہ ہو۔ اداریوں اور شہاب صدیقی کے رپوتاژوں کے ساتھ مکتوبات نے اس کتاب کو بار بار نظروں کے سامنے رکھنے کے لائق بنادیا۔ ہر طبقہ فکر و عمل کی ممتاز شخصیتوں کے ان خطوط میں اس دور کی ادبی سرگرمیوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو اب صرف لذت خواب سحر کا احساس دلاتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ پچاس برس پہلے اردو معاشرہ کتنا پر ثروت تھا۔ پھر بھی ایک خط میں آنے والے وقت سے متعلق اس قسم کے اندیشے شروع ہو گئے تھے کہ "اردو ادب کا وہ چراغ جو اساتذہ نے جلایا تھا اب دھیرے دھیرے مدھم ہوتا جارہا ہے، اساتذہ نے اپنا خون جلا کر اس چراغ کو روشن کیا تھا، جدت پیدا کرنے والے پرانی روایات کو ختم کرتے جارہے ہیں، ۱۹۷۵ء میں کراچی کے ضمیر صدیقی کے خط میں یہ جملے اب کتنے مانوس سے لگتے ہیں کہ "جب میں نے صحافت شروع کی تھی اس وقت ہم لوگوں کے سامنے ایک مقصد تھا اور اب یہ ایک پیشہ ہے ممکن ہے آپ کے ملک میں ایسا نہ ہو۔" اس وقت کی یہ توقع اب ایسی اٹھی کہ کیا کسی سے گلہ کرے کوئی۔ مختصر سی زندگی والے رسالہ صبح ادب کی یادیں واقعی بڑی پائیدار ہیں، آخر میں اس کے مضامین ومشمولات کا مکمل اشاریہ بھی ہے جس کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ کاش اس کی مکمل فائل سامنے آجائے۔ پروفیسر شارب ردولوی کی تحریر بھی خوب ہے۔ یاد نوبہار سے چمن کی اداسی دور ہو گی، اس میں شک نہیں۔ **(عمیر الصدیق ندوی)**

جلال الدین اسلم، اوراق زندگی (آپ بیتی)، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات: ۲۴۸، قیمت: ۳۰۰ روپے، سن اشاعت: ۲۰۲۳، پتہ: اردو بک ریویو ۱۰۴ / ۱۷۳۹، فرسٹ فلور ایم پی اسٹریٹ، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲، موبائل مصنف: ۹۸۶۸۳۶۰۴۷۲

جلال الدین اسلم کا نام اور تعارف عموماً جماعت اسلامی کے اخبار دعوت کے حوالے سے لیا جاتا رہا، کہا گیا کہ ان کی پوری زندگی پرورش لوح و قلم میں گزری، لیکن خاموشی اور کم گوئی کی صفت یا عادت نے ان کو اس شہرت سے دور رکھا جس کے وہ واقعی مستحق ہیں۔ اب ان کی زیر نظر آپ بیتی میں وہ تمام سچائیاں آگئیں، جن کے اظہار پر حالات کی بندش رہتی ہے۔ مصلحت اور مجبوری میں اگر شرافت نفس کی آمیزش ہو جائے تو پھر صداقتوں کی جرأت گویا معدوم ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ خود نوشت کچھ الگ ہی رنگ میں نظر آتی ہے۔ جہاں زندگی کا آغاز ہی محنت و مشقت اور محرومیوں اور مایوسیوں سے ہوتا ہے۔ اعظم گڑھ ضلع کے ایک دور افتادہ گاؤں چاندپٹی کے ایک بچہ کے لیے اسی سال کی عمر گزارنے کے بعد بھی گاؤں اور بچپن کی تصویریں اس ساری مدت پر اس طرح محیط رہیں کہ "عشق و جنون کا سرمایہ افتخار" بن گئیں۔ اپنی بستی، بچپن اور اس میں ماں کا وجود ہر شخص کی یادوں کا راس المال ہوتا ہے۔ زیر نظر اوراق زندگی کا یہ سب سے موثر اور سب سے حقیقی باب ہے جہاں بقول مصنف "یادوں کے دریچوں سے ممتا کی میٹھی میٹھی یادیں آنسو بن کر ٹپکنے لگتی ہیں۔" زندگی کے اس سفر میں رامپور بھی آیا اور دہلی بھی اور یہی دہلی ہی منزل مقصود ٹھہری۔ خطاطی کے فن لطیف سے صحافت کی کثافت تک کے اس سفر کی ابتدا مائل خیر آبادی سے ہوئی جن کے متعلق مصنف نے لکھا کہ وہ پیکر علم و عمل، نور مجسم سر تا پا خیر ہی خیر تھے۔ "مائل خیر آبادی کی زندگی" کے یہ عنوان آج بھی کسی طویل داستان کے منتظر ہیں۔ مائل صاحب کے بعد ہم پیشہ خطاطوں اور پھر نامور صحافیوں جیسے عشرت علی صدیقی، مولانا محمد مسلم، سلامت علی مہدی، محفوظ الرحمٰن، مولانا امداد صابری وغیرہ سے فن اور زندگی کے جو تجربات حاصل ہوئے وہ مطالعہ اور استفادہ سے زیادہ عبرت کے مقامات ہیں۔ مثال کے طور پر اقانیم ثلاثہ کے زیر عنوان چند شخصیتوں کی طرف اشاروں میں جو کہا گیا وہ اگرچہ ایک خاص تناظر میں ہے لیکن یہ آج کے سماج کی وہ سچائی ہے جس کا مشاہدہ عام طور سے کھلی آنکھوں سے کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے اظہار کی جرأت بس شاید و باید۔ اسی بیان میں مصنف کے ہم قصبہ اور سرپرست مولانا ابو اللیث اصلاحی کا ذکر ویرانوں میں چپکے سے بہار آ جانے والی کیفیت سے ہم کنار کرتی ہے۔ صحیح کہا گیا کہ مولانا کی خوبیوں کو سمیٹنا بہت مشکل ہے، اپنی ذات

کو مقصد میں گم کر دینے والی خوبی ہر ایک کو ملتی ہی کہاں ہے۔ زندگی کی اس کہانی میں ظاہر ہے، حدیث دیگراں کی دراندازی کو روکا نہیں جاسکتا، مصنف نے ایسے مرحلے بڑی مہارت سے پار کرلیے، بین السطور میں صحافت و سیاست کے بارے میں ان کا رویہ بالکل واضح ہے۔ سلامت علی مہدی اپنے وقت کے مشہور صحافی تھے، ان کی شخصیت کے متضاد پہلوؤں کو اس سے پہلے شاید ہی کسی نے بیان کیا ہو، یہی کیا ایک چمکدار اخبار اور رسالہ کے پیچھے، زندگی خود کو خبر میں کیسے ڈھالتی رہتی ہے، اس کتاب نے یہ بھی بتادیا۔ ایک شخص کی کہانی کس طرح مختلف اداروں کی ان کہی حکایتوں کے باب کھولتی ہے۔ یہ کتاب اس کا کامیاب نمونہ ہے۔ پیش لفظ میں کہا گیا کہ اسلم صاحب کی تحریروں میں وہی پختگی اور ندرت ہے جو مولانا فارقلیط، مولانا محمد مسلم اور محفوظ الرحمٰن مرحوم کی پہچان تھی۔ مصنف نے اپنی خطاطی کا ذکر کم کیا ہے ورنہ اس فن میں کم ہی لوگ ان کی ہمسری کا دعویٰ کرسکتے ہیں کہ انہوں نے ہزاروں کتابوں کے ٹائٹل بنائے، اخباروں کی لوحیں بنائیں۔ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب میں تاریخ کا مزہ ہے ساتھ ہی سبق اور عبرت بھی۔ (ع۔ص)

نصیر احمد انصاری، خوشبو کا سفر، متوسط تقطیع، کاغذ وطباعت بہتر، صفحات: ۲۷۰، قیمت: ۲۵۰ روپے، سن اشاعت ۲۰۲۰، پتہ: دفتر بزم عزیز، محلہ پیربٹاون، ناگیشور ناتھ مندر روڈ، بارہ بنکی، موبائل: ۹۳۳۵۸۶۸۱۵۸

اودھ کے زرخیز خطہ میں سرزمین بارہ بنکی، اپنی تاریخی قدامت، اودھی تہذیب وشرافت اور علم وادب کی مسلسل روایت کی وجہ سے اپنی انفرادیت پر ناز کرے تو اس کو ادائے حق نعمت ہی کہا جائے گا۔ ایک تاریخ ہے جو علماء وادباء وشعرا، حکماء وصوفیہ کے وجود سے واقعی نزہت الخواطر کہلانے کی مستحق ہے۔ ایک بات اور بھی کہی جاسکتی ہے کہ اس خطہ کے باکمالوں میں ایک خوبی شان بے نیازی کی رہی، انہوں نے خود اپنی دنیا بنائی بھی اور بسائی بھی۔ ایسے ہی باکمالوں میں اس مجموعہ نعت کے شاعر بھی ہیں، استاذ سخن کے درجہ پر فائز، خوش فکر ایسے کہ غزلوں کے کئی مجموعے ان کے نام، جہاں ایسے اشعار روش روش، دامن دل کو کھینچنے والے کہ:

ہے ایک مدت سے دل میں آرزو کچھ
ذرا بیٹھو کریں ہم گفتگو کچھ

سودا کیا نہ اپنی انا کا کبھی نصیرؔ
بس اس لیے میں اپنی نظر سے گرا نہ تھا

جسم و جاں، فکر و نظر دل اور ایمان و یقیں
لو تمہارے نام اپنا کل اثاثہ لکھ دیا

زیر نظر مجموعہ بس اسی آخری شعر کی داستان ہے، نعت نبویؐ کی صنف بجائے خود ایک اعجاز نبوی ہے، صدیوں پر محیط لاکھوں کروروں بے شمار نعتوں کا ایک سلسلہ ہے جس کی ہر کڑی ایک الگ پیرایہ میں ظاہر ہو کر نعت گو کو اس اعجاز کا ایک حصہ بنا دیتی ہے۔ نعت واقعی ذہن و دہن اور شاد کامی وخوش کلامی کی وہ خوشبو ہے جو شاید ازل سے محو سفر ہے۔ حمد کے بعد قریب دس نعتیں صرف خوشبو اور مہک کی ردیف و قافیہ سے معطر ہیں۔ یہ ذکر نبیؐ ہی کی برکت ہے کہ:

یاد کر انہیں تو دل بن کے آئینہ مہکے
ذکر کر جو ان کا تو ذہن پھر ترا مہکے

شاعر کی عقیدت میں جب یہ جذبہ شامل ہو جائے کہ:

نصیر نعت نبی اس لیے میں لکھتا ہوں
کہ آخرت کا بھی کچھ انتظام ہو جائے

تو قبولیت میں کیا شک؟(ع۔ص)

مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی، ندوی، **تجلیات سیرت**، کاغذ وطباعت عمدہ، مجلد، صفحات ۳۶۰، پتہ: جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد، یوپی، سن اشاعت، ۲۰۲۱، قیمت: درج نہیں، موبائل نمبر: ۹۴۱۲۸۶۶۱۷۷

آفتاب رسالتؐ کے جلوؤں کی کوئی حد نہیں۔ اس کی سب سے اہم وجہ منصب رسالت اور مقام عبدیت میں اس درجۂ کمال پر فائز ہونا ہے جس کے بعد عروج و کمال کی کوئی اور حد نہیں رہتی۔ خود آگہی سے خدا شناسی کے سفر میں خود نمائی سے پرہیز ہی سیرت کا پیغام ہے۔ معرفت الٰہی کے اس پہلو اور آپؐ کی سیرت کے اس فلسفہ کو سمجھنے سمجھانے کا یہ سلسلہ تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک تابندہ کڑی ہے۔

اس کتاب کے مختلف ابواب میں آپؐ کے امتیازات وخصائص اور انسانیت پر آپؐ کے احسانات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اسوۂ حسنہ، عظمت رسول، عشق رسولؐ اور اطاعت رسول کی اہمیت وافادیت اس انداز سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاندین اسلام کے دل و دماغ کی تنگ وتاریک گلیوں میں معاشرہ کے لیے آپ کی عفت وعصمت و نافعیت کا پہلو اور بلندی اخلاق ابھر کر سامنے آئے۔ اس میں قرآنی آیات، صحیح احادیث وروایات اور عربی واردو کے مستند ادب سے

استفادہ کیا گیا ہے اور کوئی بات بلا تحقیق وحوالہ نہیں کہی گئی ہے۔ آخری باب میں عہد بہ عہد توہین رسالت کے واقعات کا بالاختصار جائزہ لے کر اس اہم مسئلہ کے حل کے لیے اسلاف نے جو نمونے پیش کیے ہیں اس کو سامنے رکھنے کی بات دہرائی گئی ہے اور امت کو ایسے تمام مواقع پر احتجاجی پروگراموں میں تشدد اور ایسی کسی حرکت سے کلی طور پر پرہیز وگریز کو ضروری قرار دیا گیا ہے جس سے اسلام کے تئیں منفی تاثر قائم ہو۔ مسلم ممالک سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ عالمی قانونی اداروں کے ساتھ مل کر توہین مذہب یا اہانت رسول پر قدغن لگانے اور اس کے مرتکب کو قرار واقعی سزا دلانے کے قوانین بنانے کی کوشش کریں تاکہ محسن انسانیت اور رحمۃ للعالمین پر بے بنیاد و بلا جواز تنقید کے اس سیلاب بلا خیز کو روکا جاسکے۔

صاحب کتاب کو سیرت، قرآنیات اور اسلامی تاریخ سے خاص دلچسپی ہے۔ اس سے قبل اس موضوع پر ان کی متعدد تصنیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان کے اسلوب کی سادگی، بیان کی متانت، زبان کی سلاست اور تعبیر کی دلکشی قاری کو اپنے ساتھ جوڑے رکھتی ہے۔ کتاب اپنے موضوع پر بھرپور اور مطالعہ کے لائق ہے۔ البتہ مصادر کے حوالے مکمل دیے گئے ہوتے تو کتاب کے استناد میں اور اضافہ ہو جاتا۔ **(کلیم صفات اصلاحی)**

حکیم فخر عالم، **رموز دواسازی**، کاغذ وطباعت عمدہ، مجلد، صفحات ۳۶۳، پتہ: ادارہ علم وادب، علی گڑھ ومکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، علی گڑھ، سن اشاعت، ۲۰۲۳، قیمت: ۶۰۰ روپے، موبائل نمبر: ۹۴۱۱۶۵۳۰۴۱ ای میل fakhrealamx7598@gmail.com

حکیم فخر عالم مدرستہ الاصلاح، سرائے میر کے سند یافتہ عالم وفاضل ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس اور وہیں سے ایم ڈی اور اس وقت سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن وزارت آیوش، حکومت ہند میں ریسرچ آفیسر ہیں۔ جب سے اس میدان میں قدم رکھا ہے متعلقہ موضوع پر ان کی علمی فتوحات کا سلسلہ جاری ہے۔ مستقل تصنیفی جد وجہد سے نہ صرف انہوں نے اپنی شناخت بنائی ہے بلکہ ہندوستان کے مختلف طبی وعلمی اداروں سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا بھی منوالیا ہے۔ طبی موضوعات پر ان کی تحقیقی کتابیں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ علم الادویہ سے متعلق یہ کتاب بھی اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں کسی مصنّف نے غالباً پہلی بار یونانی دواسازی کے اسرار ورموز پر تاریخی ومحققانہ گفتگو کے ساتھ ساتھ صنعتی دواسازی سے وابستہ امور، قدیم وفرسودہ صیدلی نظام تعلیم میں تبدیلی اور نصاب میں صنعتی دواسازی کی شمولیت کی جانب خصوصی توجہ دلائی ہے۔

اس کتاب کے اصل مخاطب طلبہ ہیں۔اس لیے انہوں نے معلومات کی تفصیل ان کے مبلغ علم اور ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر پیش کی ہے۔ مصنف کا یہ خیال ہے کہ قرابادینوں کے مطالعہ کے بغیر یونانی دواسازی کے صحیح خد وخال واضح نہیں ہوسکتے،اس لیے انہوں نے ہر عہد کی قرابادین پر جامع گفتگو اس انداز سے کی ہے کہ صیدلہ کی تدریس کے دوران طلبہ کے ذہن میں اٹھنے والے پیچیدہ سوالوں کے عقلی جوابات مل سکیں۔ان قرابادینوں سے ان کو آشنائی بھی ہو جائے اور اساتذہ کو بھی ان کا حل ڈھونڈھنے میں آسانی ہو۔ مصنّف نے بڑی دقت نظری اور باریک بینی سے یونانی دواسازی کے نظری و عملی دونوں پہلوؤں کا احاطہ اور ان کا تنقیدی جائزہ لے کر اس کے معایب و محاسن سے پردہ اٹھایاہے۔ جدید میڈیکل سائنس نے دواسازی کی دنیامیں جو انقلاب برپا کیاہے کتاب میں متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ بھی کیا گیاہے تاکہ یونانی دواسازی کے معیار کو بہتر بنانے اور حسب موقع اس میں تجدید کے امکانی پہلوؤں کو تلاش کرنے کے لیے بہ طور نمونہ اس کو سامنے رکھا جاسکے۔اس کے علاوہ نئی یونانی اشکال ادویہ کے فروغ، متروک دوائی شکلوں کے احیاء، جدید ٹکنالوجی سے استفادہ، دواسازی کے میدان کے صحیح تعین، علمی سطح پر اصلاح اور معیار کے اہتمام پر زور بھی دیا گیاہے۔ مصنّف یونانی دواسازی کو محض روایتی یا تقلیدی سمجھنے کے رجحان کو تاریخ سے لاعلمی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ان کا یہ تاثر اس موضوع پر ان کی تاریخی نظر اور مستقل غور و فکر کا غماز ہے۔ کتاب کی افادیت اور اس کی پذیرائی میں شک کی گنجائش نہیں۔(ک۔ص اصلاحی)

کوثر مظہری، **شکیل اعظمی کا بنواس (معاصرین کی نظر میں)**، کاغذ وطباعت عمدہ، مجلد، صفحات ۱۹۲، ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد، نئی دہلی، سن اشاعت، ۲۰۲۳، قیمت: ۳۰۰، موبائل نمبر: ۹۹۷۱۷۷۵۹۶۹۔ای میل:arshiapublicationpvt@gmail.com

اردو کی موجودہ دنیائے شاعری میں جدید و منفرد لب ولہجہ کے شاعر شکیل اعظمی کی شاعرانہ شہرت کا آفتاب نصف النہار پر ہے۔ دھوپ دریا، ایسٹرے، مٹّی میں آسمان اور بنواس وغیرہ کو ارباب شعر و ادب کی جانب سے جو التفات نصیب ہوا وہ بلاشبہہ اس عمر کے کم ہی شعرا کے حصے میں آیا۔ بالخصوص بنواس کے باطنی وفنی حسن نے تو اس کوچہ کے رہ نوردوں کو کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست کی صدا لگانے پر مجبور کر دیا۔ جب اس توصیفی ترانہ کی فہرست شائقین میں اضافہ سامنے آیا اور ادبا نے اس پر گراں قدر مضامین لکھے تو بجا طور پر مرتب نے کتاب سے کتاب بنانے کی عمدہ کوشش اس لیے کی کہ بنواس کا لطف عام ہو۔

شکیل اعظمی کے کمالات شاعری کا سب سے پر کشش پہلوان کا سماج و معاشرہ کا نبض شناس ہونا ہے۔ یہ خوبی اس شاعر میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے جس کے اندر حقائق زیست کے ادراک کی صحیح معنوں میں اہلیت ہوتی ہے۔ بنواس حقیقت میں شاعر کی ایک ذہنی کیفیت ہے جس میں ان کی تمام غزلیں اور نظمیں رام چندر جی کے بن واس کے مرکزی خیال کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اس میں انہوں نے ماضی کی تصویر دکھا کر حال کے شعور و ادراک کو بیدار کرنے کا پیغام دیا ہے تاکہ رام کے نام پر پر فریب سیاست کا کھیل ختم ہو۔

زیر نظر مجموعۂ مقالات میں بنواس کو کسی نے شکیل اعظمی کا بنواس کہا۔ کسی نے شہر میں رہ کر شہر بدری کے احساس سے تعبیر کیا۔ کسی نے اس کو پڑھ کر شکیل صاحب کو جنگل کا تخلیقی رزمیہ نگار اور کسی نے زندگی کے بنواس کا شاعر بتایا۔ کسی نے بنواس کو امیدوں سے بھرا جنگل، کسی نے نیا شعری منظر نامہ، کسی نے ماحولیاتی رزمیہ، کسی نے شکیل صاحب کا ایک نیا سنگ میل اور کسی نے ان کا نیا تخلیقی تجربہ اور کسی نے جنگل کی بازیافت بتایا اور کسی نے اس میں قدیم ہندوستانی تہذیب و ثقافت کے عوامل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ غرض جس نقاد نے جیسا سمجھا اس نے بنواس کے فکری ابعاد و امکانات کو دیانت داری و خوش اسلوبی سے اصحاب ذوق تک پہنچانے کی سعی مشکور کی ہے۔ اس مجموعۂ مقالات کو پڑھ کر بنواس کو پڑھنے کی آرزو کا دل میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ **(ک۔ ص اصلاحی)**

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمان القرآن الکریم۔ ترجمانی و مختصر تفہیم (اول تا ہفتم) ترتیب و تدوین: احمد ابو سعید، صفحات: ۱۳۷۶، شان پبلی کیشنز، حیدرآباد، اشاعت ہفتم، دسمبر، ۲۰۲۰ء، قیمت: فی جلد ۱۰۰ روپئے، موبائل: ۹۲۴۶۱۶۱۰۲۰

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو تمام انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے عجائب قیامت تک ختم نہیں ہوں گے۔ زیر تبصرہ تفسیر **"ترجمان القرآن الکریم"** اسی غور و فکر کا نتیجہ ہے جو تین جلدوں میں ۲۰۱۷ء میں شائع ہوئی تھی اور ۲۰۲۰ء میں اسے سات جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔ اس کے سرورق پر مختصر تعارف یوں ہے: آیت بہ آیت تقسیم ترجمانی و لغات القرآن اور فہم قرآن سے متعلق اہم معلومات، اشاعت ہفتم۔ مع ترتیب ہفت (۷) منازل۔ یعنی قرآن مجید کی سات منزلوں کے اعتبار سے اس تفسیر کو سات جلدوں میں شائع کیا گیا۔ مرتب لکھتے ہیں: "اس اشاعت ہفتم کا ایک اور امتیاز (Distinction) یہ ہے کہ قرآن کی (۷) منازل کے حساب سے سات حصوں میں تسلسل کے ساتھ تقسیم کیا گیا ہے۔ چوں کہ منزل کی ابتدا سورہ سے ہوتی ہے، منزل کا آغاز بھی

صفحہ کے آغاز سے کرنے کا کام کیا گیا ہے"(ص xxv-xxvi)

اس کتاب کو یوں ترتیب دیا گیا ہے: پہلے سورہ کی چند آیات، اس کے بعد لغات القرآن الکریم کے عنوان سے الفاظ و معانی، پھر سامنے کے صفحہ پر ہر آیت کا ترجمہ اور اس کے نیچے حواشی ہیں۔ مؤلف کی اس محنت اور عرق ریزی کی داد بعض معاصرین علمانے دی ہے۔ پروفیسر خورشید احمد، مدیر ترجمان القرآن، نے لکھا ہے کہ: "الحمد للہ! آپ نے بہت مفید اور عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ آپ کے لیے میرے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ قرآن مجید اور "تفہیم القرآن" کی آپ کی خدمت اور اس سلسلہ کی ہر سعی مبارک بادی کی مستحق ہے"(ص xiii)

صاحب ترتیب کو زیر نظر کاوش کا خیال رمضان المبارک میں اعتکاف کے دوران پہلی بار اکتوبر ۲۰۰۷ء میں آیا۔ مولانا مودودیؒ کی تفسیر پر مختلف جہتوں سے انہوں نے کام کیا ہے۔ مثلاً اس وقت وہ اس تفسیر پر ایک نیا کام کر رہے ہیں۔ اس نئی کاوش کا نام "ترجمان القرآن و تفہیم القرآن العظیم" رکھا ہے۔ اس کی جلد اول سورۃ البقرۃ ستمبر ۲۰۲۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کی ترتیب واشاعت میں مرتب کا جذبہ اور جوش قابل داد ہے۔ قرآن مجید کی خدمت جس اعتبار سے انجام پاجائے، بڑی سعادت اور خوش بختی ہے۔ احتیاط کے باوجود مذکورہ کتاب میں کہیں کہیں پروف کی غلطیاں درآئی ہیں۔ امید کہ نئے ایڈیشن میں اس جانب خاص توجہ مبذول کی جائے گی۔ **(فضل الرحمن اصلاحی)**

اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں

مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی نے الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند کے نام سے ایک عظیم الشان کتاب مرتب کی تھی، جس میں ہندوستان کے علماء و مصنفین کی تصانیف کا تفصیل سے ذکر کیا گیا تھا۔ مگر یہ کتاب صرف کتابوں کی فہرست ہی نہیں بلکہ یہ ہندوستانی مسلمانوں کی پوری تعلیمی، علمی اور ذہنی و فکری تاریخ بھی ہے۔ ہندوستان میں نصاب درس، اس کے تغیرات پر نہایت مفید بحث شروع میں ہے، پھر چار ابواب میں علوم شرعیہ، شعر و شاعری اور دوسرے علوم وفنون پر سیر حاصل معلومات جمع کیے گئے ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ مشہور فاضل مولانا ابو العرفان ندوی کے قلم سے ہے۔

از: مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی **ترجمہ: مولانا ابو العرفان ندوی**

صفحات: ۴۹۸ قیمت: ۳۵۰ روپے

ادبیات

نعت نبیؐ

ڈاکٹر راہی فدائی

بنگلور، کرناٹک

۹۲۰۵۰۷۷۶۰۲

مکاں کے دل میں، سر لامکاں میں آپؐ ہی آپؐ
ہیں حسن پیکر سرّ نہاں میں آپؐ ہی آپؐ

کرم سے لرزہ براندام ہوگئی ہے سزا
شفاعتوں کا بھرم دوجہاں میں آپؐ ہی آپؐ

ہمیں یہ فخر ہے، روز عمل کہ روز جزا
ہمارے ساتھ سفر جاوداں میں آپؐ ہی آپؐ

ہے عرش و کرسی و لوح و قلم میں آپؐ کا نور
یہ خلد کیا، نگہ قدسیاں میں آپؐ ہی آپؐ

ہیں آپؐ قافلہ سالار انبیا و رُسل
ازل ابد کے ہر اک کارواں میں آپؐ ہی آپؐ

زمیں پہ سجدہ کناں، آسماں پہ نقش رواں
حکومت آپؐ کی ہے، کُل جہاں میں آپؐ ہی آپؐ

جبین نور کو جب سے زمیں نے چوم لیا
کھلا ہے عقدہ کہ ہر اک نشاں میں آپؐ ہی آپؐ

ہو کوئی ساعت بے کیف، وقفہ ہائے نشاط
بوقت غم، نفس شادماں میں آپؐ ہی آپؐ

یہ کس کے حکم سے ہے موسموں کا ردّ و بدل
بہار ہو کہ خزاں، ہر زماں میں آپؐ ہی آپؐ

خدا کا رنگ ہے دراصل آپؐ ہی کا رنگ
سفید و زرد و سیہ، ارغواں میں آپؐ ہی آپؐ

جلا نہ پائے گی راہیؔ! اسے یہ آتش گل
خوشا، ہیں دل کے مرے آشیاں میں آپؐ ہی آپؐ

معارف کی ڈاک

معارف

آپ کی توجہ سے معارف کا تازہ شمارہ ماہ بہ ماہ نظر نواز ہو رہا ہے، جس کے لیے مَیں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ معارف نے اپنی روایت کو بر قرار رکھا ہے کہ بالخصوص تحقیقات کی دنیا میں اپنے مقالات کے ذریعے علم و عرفان کی روشنی پھیلا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مدیران اور دیگر عملے کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

پروفیسر خالد ندیم، سرگودھا، پاکستان

dr.khalidnadeem@gmail.com

نالندہ سے متعلق چند مضامین

معارف کے جولائی کے شذرات میں نالندہ کا ذکر آیا تھا، اور اس حوالہ سے علامہ سید سلیمان ندوی کے مضمون نالندہ کی سیر کا بھی ذکر تھا، انہوں نے اپنے مذکورہ مضمون میں اور دارالمصنفین کے دوسرے بزرگ، سید صاحب کے بھتیجے مولانا سید ابو ظفر ندوی نے اپنے مضمون بختیار خلجی میں فرشتہ کے حوالہ سے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ بختیار خلجی کا یہ حملہ عمداً نہیں لاشعوری میں ہوا تھا۔ لیکن اس کے بعد کئی ایسی تحریریں سامنے آئیں جن میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ مسلمانوں سے بہت پہلے نالندہ برہمنوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس حوالہ سے علاقہ کے تین اہل قلم کے اردو مضامین ہمارے علم میں ہیں۔ جن میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور خود بدھوں کی تحریروں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نالندہ بہت پہلے تباہ ہو چکا تھا، بختیار خلجی کا حملہ شہر بہار شریف پر ہوا تھا جو اس وقت اودانت پوری کہلاتا تھا، نہ کہ نالندہ پر۔ ان مضامین میں بعض کے ہندی ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

۱۔ پہلا مضمون جناب آفتاب حسن شمس علیگ (بہار شریف) کا ہے۔ جو علاقہ کے ایک رسالہ مجلہ صدی تقریبات مدرسہ منیر الاسلام بہار شریف میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ دوسرا مضمون جناب نوشاد عالم (بہار شریف) کا ہے جو ایک کتابچہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

۳۔ تیسرا مضمون ملک کے معروف ادیب پروفیسر احمد سجاد (ساکن بہار شریف حال مقیم رانچی) کا ہے۔ جو ماہنامہ راہِ اعتدال علی گڑھ میں اپریل ۲۰۱۵ کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔

ابھی حال میں بھی ان ہنگاموں کے بعد ایک مضمون سوشل میڈیا پر نظر سے گذرا تھا، اس میں بھی یہی تحقیق پیش کی گئی تھی۔

ان مضامین کے مطالعہ سے امید ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں دور ہوں گی۔

طلحہ نعمت ندوی

talhanemat3@gmail.com

رسید کتب موصولہ

مولانا ڈاکٹر عارف عمری، **الحاج گلزار احمد اعظمی ۔ نقوش و تاثرات:** سراقہ اعظمی، امام باڑہ کمپاؤنڈ، نزد مغل مسجد، ممبئی، صفحات:۱۴۴، سالِ اشاعت ۲۰۲۴ء، قیمت ۲۰۰روپے، موبائل نمبر:۹۸۸۷۳۶۲۹۴۶

ابو امامہ شاہ ارریاوی (شاہی ارریاوی)، **پیام حاضر (شعری مجموعہ):** الکتاب بک سنٹر، صالح نگر، ارریا، بہار، صفحات:۲۸۰، سالِ اشاعت ۲۰۲۴ء، قیمت ۳۰۰روپے، موبائل نمبر:۹۹۳۴۷۸۸۶۲۸

جاوید انصاری، **تاریخ زرنگار برہان پور:** دارالسرور ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، برہان پور، ایم۔پی، صفحات:۵۰۴، سال اشاعت ۲۰۲۱ء، قیمت ۴۸۰روپے، موبائل نمبر:۸۰۸۵۲۸۵۷۸۲

ڈاکٹر شمس بدایونی، **رموز اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟:** انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی، صفحات: ۲۱۸، سالِ اشاعت ۲۰۲۴ء، قیمت ۳۰۰روپے، ای میل:contact@atuh.org

محمد فرمان ندوی، **سوانح سید الطائفہ (علامہ سید سلیمان ندویؒ):** مجلس صحافت و نشریات، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، صفحات:۲۳۲، سالِ اشاعت ۲۰۲۴ء، قیمت ۲۲۰روپے، موبائل نمبر: درج نہیں۔

ڈاکٹر عطا خورشید، **کلیات خطبات سرسید (جلد اول، دوم اور سوم):** اکسٹرا آرڈنری لائف میڈیا، گومتی نگر، لکھنؤ، صفحات بالترتیب: ۱تا۱۳۹۰، سالِ اشاعت ۲۰۲۲ء، مجموعی قیمت:۲۰۰۰روپے، موبائل نمبر:۹۴۱۱۶۲۹۹۱۷

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، **گلدستوں میں شعرائے اعظم گڑھ اور ان کا نادر کلام**، ادبی دائرہ، شائستہ منزل، پورہ غلامی، شہر اعظم گڑھ، صفحات: ۳۶۰، سال اشاعت ۲۰۲۴ء، قیمت: ۴۰۰روپے، موبائل نمبر:۹۸۳۸۵۷۳۶۴۵

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، **مشاہیر شعرائے فارسی**، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، صفحات: ۳۰۴، سالِ اشاعت ۲۰۲۴ء، قیمت:۳۰۰روپے، فون نمبر:۰۱۱-۴۵۶۷۸۲۸۶

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، **نگارشات ناصر (مولانا عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی جامعی):** براؤن بکس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، صفحات:۲۴۴، سالِ اشاعت ۲۰۲۳ء، قیمت: ۷۵۰روپے، موبائل نمبر: ۷۹۰۶۸۶۳۴۶۱

شکیل احمد صبر حدی (تحقیق و ترتیب)، **ہری چند اختر ایک متاع گم گشتہ:** آصف اعظمی، نئی دہلی، صفحات:۳۹۷، سالِ اشاعت ۲۰۲۰ء، قیمت:۶۰۰روپے فون نمبر:۱۲۰-۴۳۱۸۷۰۰

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

اسمائے کتب	قیمت	اسمائے کتب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-	موازنہ انیس ودبیر	250/-
سیرۃ النبی (خاص ایڈیشن مکمل ۷ جلدیں)	2800/-	اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	125/-
مقدمہ سیرۃ النبی	30/-	سفرنامہ روم ومصر وشام	200/-
الفاروق	350/-	کلیات شبلی (اردو)	220/-
الغزالی	300/-	کلیات شبلی (فارسی)	--
المامون	175/-	مقالات شبلی اول (مذہبی)	170/-
سیرۃ النعمان	400/-	مقالات شبلی دوم (ادبی)	70/-
سوانح مولانا روم	220/-	مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	170/-
شعر العجم اول	250/-	مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	200/-
شعر العجم دوم	150/-	مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	150/-
شعر العجم سوم	150/-	مقالات شبلی ششم (تاریخی)	150/-
شعر العجم چہارم	200/-	مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	100/-
شعر العجم پنجم	150/-	مقالات شبلی ہشتم (قومی واخباری)	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (محقق ایڈیشن)		انتخابات شبلی (سید سلیمان ندوی)	200/-
تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی	350/-	مکاتیب شبلی اول // //	--
خطبات شبلی	150/-	مکاتیب شبلی دوم // //	190/-
الکلام	350/-	اسلام اور مستشرقین چہارم	
علم الکلام	200/-	(علامہ شبلی کے مقالات)	250/-

OCT 2024 Vol- 211(10) ISSN 0974-7346 Ma'arif(Urdu)-Print

RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP- 43/2023-25

Monthly Journal of

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

P.O.Box No: 19, Shibli Road, AZAMGARH, 276001 U.P. (INDIA)

Email: info@shibliacademy.org